دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
دار العلوم حقانیہ
اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
بیاد: شیخ الحدیث حضرة مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم حقانیہ
مدیر: مولانا سمیع الحق

مطبوعاتِ مؤتمر المصنفین

کتاب	نوعیت	مصنف	صفحات	قیمت
۱۔ حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی مجلد، ترتیب و تحشیہ: مولانا عبدالقیوم حقانی	افادات	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق	۵۳۶ صفحات	۱۲۵ روپے
۲۔ دعوات حق مکمل دو جلد (مجلد) ضبط و تحریر: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۱۱۹۲	۱۲۰ روپے
۳۔ قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ، مرتبہ: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۴۰۰	۴۵ روپے
۴۔ عبادات و عبدیت، مرتبہ: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۸۸	۸ روپے
۵۔ مسئلہ خلافت و شہادت، مرتبہ: مولانا سمیع الحق	〃	〃 〃	۱۰۴	۱۰ روپے
۶۔ صحبتے با اہل حق (مجلد) ضبط و ترتیب: مولانا عبدالقیوم حقانی	〃	〃 〃	۴۰۸	۷۵ روپے
۷۔ اسلام اور عصر حاضر (مجلد)	تصنیف	مولانا سمیع الحق	۴۶۰	۹۰ روپے
۸۔ قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	〃	〃 〃	۹۶	۷ روپے
۹۔ کاروان آخرت مجلد			۴۴۶	۷۵ روپے
۱۰۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق (الحق کا خصوصی نمبر)	〃	〃 〃		
۱۱۔ قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف	〃	〃 〃	۲۰۸	۳۵ روپے
۱۲۔ قادیان سے اسرائیل تک		〃 〃	۲۲۴	۳۵ روپے
۱۳۔ قومی و ملی مسائل پر جمعیۃ کا موقف	〃	〃 〃	—	—
۱۴۔ میری علمی اور مطالعاتی زندگی مجلد	〃	〃 〃	—	—
۱۵۔ روسی الحاد	〃	〃 〃	۲۰۰	۴۵ روپے
۱۶۔ دفاع امام ابوحنیفہؒ (مجلد)	〃	مولانا عبدالقیوم حقانی	۳۵۲	۶۰ روپے
۱۷۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات مجلد	〃	〃 〃	۲۷۲	۵۶ روپے
۱۸۔ علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات، امام ابو یوسفؒ۔ امام محمدؒ مجلد	〃	〃 〃	۲۷۲	۵۶ روپے

کتاب	نوعیت	مصنف	صفحات	قیمت
۱۹۔ ارباب علم و کمال اور پیشۂ رزق حلال (مجلد)	تصنیف	مولانا عبدالقیوم حقانی	۲۳۲ صفحات	۵۶ روپے
۲۰۔ امام اعظمؒ کا نظریہ انقلاب و سیاست	〃	〃 〃	۶۴	۷ روپے
۲۱۔ خطبات حقانی (جلد اول)	〃	〃 〃	۱۲۵	۱۸ روپے
۲۲۔ کتابت اور تدوین حدیث	〃	〃 〃	۴۸	۷ روپے
۲۳۔ عہد حاضر کا چیلنج اور امت مسلمہ کے فرائض (مجلد)	〃	〃 〃	---	--
۲۴۔ مرد مومن کا مقام اور ذمہ داریاں	〃	〃	--	۵ روپے
۲۵۔ ساعتے با اولیاء (مجلد)	〃	〃	-	--
۲۶۔ د امام اعظم حیرانکونکی واقعات (پشتو)	〃	〃 〃	--	—
۲۷۔ کشکول معرفت	〃	〃 〃	۱۱۲	۲۴ روپے
۲۸۔ الحاوی علی مشکلات الطحاوی	〃	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا	۲۲۴	۳۵ روپے
۲۹۔ منہاج السنن شرح جامع السنن (عربی) چار جلد	〃	شیخ الحدیث مفتی محمد فرید	-	۱۲۰ روپے
۳۰۔ برکۃ المغازی	〃	شیخ الحدیث مولانا محمد حسن جان	-	--
۳۱۔ اللہ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں	افادات	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی	۲۴	۵ روپے
۳۲۔ ارشادات حکیم الاسلامؒ	〃	مولانا قاری محمد طیب قاسمی	—	۷ روپے
۳۳۔ عقیقہ کی شرعی حیثیت	تصنیف	مولانا مفتی غلام الرحمن	۹۶	۱۳ روپے
۳۴۔ دارالعلوم حقانیہ سے جامعہ ازہر تک	〃	〃 〃	۱۴۴	۲۴ روپے
۳۵۔ دفاع ابوہریرہؓ	〃	〃 〃	—	
۳۶۔ افادات حلیم	〃	مولانا محمد ابراہیم فانی	۵۶	۶ روپے
۳۷۔ حیات صدر المدرسین مولانا عبدالحلیم زروبوی	〃	〃 〃	۵۱۲	۱۲۰ روپے
۳۸۔ فضائل و مسائل جمعہ	〃	مولانا امین الحق گستول حقانی	۹۶	۲۴ روپے

مکمل سیٹ منگوانے پر خصوصی رعایت

مؤتمر المصنفین ○ دارالعلوم حقانیہ ○ اکوڑہ خٹک ○ پشاور

اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ اکوڑہ خٹک

الحق

جلد ـــ ۲۹
شمارہ ـــ ۷
شوال ـ ۱۴۱۴ھ
اپریل ـ ۱۹۹۴ء

بیاد
حضرة مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ

مدیر
حضرة مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی

مدیر معاون، عبدالقیوم حقانی
ناظم ـ شفیق فاروقی

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم
۴۳۵ / ۳۴۰
کوڈ نمبر ـ ۰۵۲۴۹

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۱۰۰/- روپے فی پرچہ ۱۰/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۶/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۷/- پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز ○ —— اِن بدبختوں کو سنگسار کیجئے۔

بعض باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ حکومتی اداروں میں بعض موثر قوتیں ایک بار پھر اس امر کو آئینی طور پر اور وسیع بنیادوں پر مضبوط اور مستحکم تحفظ دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ بنکوں کے ان کھاتے داروں کو زکوٰۃ کی کٹوتی سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے جو اپنے بارے میں "قادیانی مسلم" یا "احمدی مسلم (؟؟؟)" ہونے کا حلفیہ بیان داخل کرادیں فانا للہ و انا الیہ راجعون —— قادیانی مسئلہ دینی نقطۂ نظر سے اتنا صاف اور واضح ہے کہ کوئی قادیانی یا "منافق مسلمان" اس پر کوشش کے باوجود گرد و غبار نہیں ڈال سکتا —— سیاسی اعتبار سے قادیانیت کا کردار عیسائی انگریز کے راج کے دور سے لے کر آج تک اتنا واضح رہا ہے کہ قادیانی بھی خود کو نکھار نہیں سکتے ——

قادیانیوں کو اگر پاکستان کے قانون میں غیر مسلم اقلیت نہ بھی قرار دیا گیا ہوتا جس کو اب کی موجودہ حکومت پیپلز پارٹی ہی کا کارنامہ قرار دیتی ہے، تب بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حکومت کی طرف سے "قادیانی مسلم" یا "احمدی مسلم" کی مہمل اور فضول اصطلاح کے سہارے قادیانیوں کو یہ مراعات دینا، دنیا بھر کے اسلامیوں اور خود اسلام اور نظریہ پاکستان سے غداری کے مترادف ہے —— یہ بات تو قطعی طور پر ہمارے علم میں نہیں کہ حکومت کے سیاسی ستونوں اور کلیدی اسامیوں میں کونسا قادیانی یا قادیانی نواز مسلمان ہے جس نے پھر سے یہ مذموم سکیم بنانے اور منوانے کی جسارت کی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان میں آئینی طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے بعد یہ غیر آئینی اقدام بلکہ آئین پاکستان کی خلاف ورزی کی خود حکومت کے کارندوں کو اسکی جرأت کیوں ہو رہی ہے؟ یا حکومتی بزرگ جمہر اس کی اجازت کیوں دے رہے ہیں کیا وہ آئین پاکستان کے بارے میں لاعلم ہیں؟

ہم یہ بات بلاخوف لومۃ لائم کہتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے یہ فیصلہ یا اقدام آئین پاکستان کی خلاف ورزی ہے آئینِ پاکستان سے غداری ہے، مسلمانوں، اسلام اور پاکستان کے خلاف سازش ہے اور اس جرم کے مجرموں کو وہی سزا دی جانی چاہیے جو ایک غدار اور آئین وطن کے باغیوں کی ہوتی ہے اور اس وقت جب وطن عزیز میں بہی خواہانِ ملت اس کے بقاء و استحکام کی فکر میں ہیں اس گھناونے جرم کا مقصد انتشار پیدا کرنا اسلامائیزیشن کے عمل میں رکاوٹیں اور اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں اس لیے ایسے جرم کی سزا انتہائی بھیانک اور عبرتناک ہونی چاہیے۔ قومی قیادت، دینی سیاست بالخصوص تحریک ختم نبوت کے ارباب بست و کشاد کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ پس منظر کے اس تمام کردار کو بر سر عام لائیں ہم اس سخت روی پر معذرت کیے بغیر یہ عرض کریں گے کہ اس شرارت اور مذموم واقعہ میں ملوث تمام افراد کو بر سرِ عام سنگسار کیا جائے کہ اس جرم کی اس سے کم سزا کا تصور ممکن ہی نہیں۔ عبدالقیوم حقانی

درسِ حدیث

افادات: حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ العالی
ضبط: مولانا ذاکر حسن حقانی

نظامِ اکل وشرب میں شریعت کی رہنمائی

امام ترمذی کی جامع السنن کے کتاب الاطعمہ کے احادیث کی روشنی میں

ماہنامہ الحق کے قارئین جو دعوات عبدیت حق اور صحبتے با اہل حق کے عنوان سے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ العزیز کے سادہ مگر دلنشین اور مؤثر مواعظ اور حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کے سحر انگیز قلم سے اُن کے معیاری ادارتی تحریروں کے عادی ہیں کی ہمیشہ سے یہ خواہش اور اصرار رہا ہے کہ حضرت شیخؒ کی رحلت اور حضرت مولانا سمیع الحق کی مصروفیت کے پیش نظر اگر اُن کے قلم سے ادارتی تحریریں نہ بھی ہوسکیں تب بھی کسی نہ کسی صورت میں اُن کے مواعظ، خطاب جمعہ یا درسی افادات کا سلسلہ الحق میں بدستور جاری رہنا چاہیے لہٰذا احباب کے مخلصانہ اصرار کے پیش نظر اسی شمارہ سے باقاعدگی سے حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کے درسی افادات اور خطابات جمعہ کو باقاعدہ ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کرنے اور قارئین تک پہنچانے کا اہتمام سے التزام کیا جارہا ہے۔

پیشِ نظر تقریر ان کے ترمذی کے کتاب الاطعمہ کا درس ہے جسے برادرم مولانا ذاکر حسن نعمانی کے ذریعہ کیسٹ سے من وعن نقل کرکے نذرِ قارئین کیا جارہا ہے اگر ضبط واشاعت کا یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہا تو بعد میں اسے کتابی شکل میں شائع کیا جاسکتا ہے (ر ع ق ح)

ابواب الاطعمۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب ماجاء علی ما کان یاکل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدثنا محمد بن بشار ثنا معاذ بن ھشام ثنی ابی عن یونس عن قتادۃ عن انس قال ما اکل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی خوان ولا سکرجۃ ولا خبزلہ مرقق فقلت لقتادۃ فعلی ما کانوا یاکلون قال علی ھذہ السفر ھذا حدیث حسن غریب قال محمد بن بشار یونس ھذا ھو یونس

الاسکاف وقد روی عبد الوارث عن سعید بن ابی عروبة عن قتادة عن انس نحوه

ابواب کھانے کے بیان میں جو حضورؐ سے مروی ہیں ۔

(باب) کس چیز پر نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کھانا کھاتے تھے ، حدیث ! بیان کی ہم سے محمدؐ بن بشار نے کہا ہمیں سنائی ۔ معاذ بن ہشام نے کہا مجھے میرے باپ نے بیان کی ۔ یونس سے اس نے قتادہ سے اس نے انس سے ، انہوں نے فرمایا کہ نبیؐ نے نہ خوان (خوانچہ) پر کھانا کھایا اور نہ چھوٹے برتنوں میں اور نہ آپؐ کے لیے چپاتی پکائی گئی ۔ پس میں نے قتادہ سے کہا پھر آپؐ کس چیز پر کھاتے تھے ، اس نے کہا ان دستر خوانوں پر یہ حدیث غریب ہے ۔ محمدؐ بن بشارؒ نے کہا یہ یونس ، یونس الاسکاف ہے اور عبدالوارث نے روایت کی ہے ، سعید بن ابی عروبہ سے ، اس نے قتادہ سے ، اس نے اس کے مثل انس سے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید یہ امام ترمذی کی کتاب جامع السنن کی دوسری جلد ہے ۔ کتاب اور اس کے مصنف کے بارے میں تفصیلی مباحث آپ نے جلد اول کے شروع میں سن لیے ہیں اس جلد میں دوبارہ تکرار کی ضرورت نہیں ۔ ہاں ساتھ ساتھ ضروری مباحث ان شاء اللہ عرض کرتا رہوں گا ۔ امام ترمذی رحمہ اللہ جلد دوم کا آغاز اطعمۃ سے فرماتے ہیں ۔

کھانے پینے کے متعلق جتنی روایات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں مثلاً اقوال ۔ افعال یا تقریرات وغیرہ ان کو ابواب الاطعمۃ میں جمع کیا ہے ۔ جلد ثانی میں اور بھی اہم مباحث ہیں عقائد جیسی اہم بحث اسی جلد میں ہے عبادات سے متعلق گفتگو بھی ہے ۔ یہاں تک کہ ابواب التفسیر جیسے اہم ابواب بھی کتاب التفسیر کی شکل میں اسی جلد میں ہیں ۔

ابواب الاطعمۃ سے آغاز کیوں ؟ تو فطری طور پر سوال ذہن میں آتا ہے کہ اس جلد میں اتنے اہم مباحث کے ہوتے ہوئے اس کا آغاز ابواب الاطعمۃ سے کیوں فرمایا ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس جلد کے اندر جتنے اہم مباحث ہیں ان کا تعلق تشریعیات سے ہے ۔ عبادات اور تفسیر ایسی چیزیں ہیں کہ خود عقل ان کی تشریح نہیں کر سکتی ۔ لازماً شریعت ہی ان امور میں ہماری راہنمائی کرے گی ۔ لیکن شریعت اتنا جامع نظام ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں کوئی تفریق روا نہیں رکھتی تشریعی اور غیر تشریعی تمام امور کا استقصاء و احاطہ کرتی ہے ۔

فطرت کھانا پینا فطری امور میں سے ہے فطری امر وہ ہوتا ہے جس میں تعلیم و تعلم کی ضرورت نہ ہو ۔

انسان پیدائشی طور پر کھانے پینے کا محتاج ہے۔کوئی نبی یا فلسفی اس کی تعلیم کسی کو دے یا نہ دے۔ ہر حیوان کو جب اللہ پیدا کرتا ہے تو اس کی فطرت میں ڈال دیتا ہے کہ تیری بقا کے لیے کھانے پینے کی ضرورت ہے۔کسی کالج اور یونیورسٹی میں کوئی حیوان اس کے بارے میں تعلیم حاصل نہیں کرتا۔بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ پینا شروع کردیتا ہے۔اس کو کس نے سمجھایا اللہ نے اس کی فطرت ہی میں یہ بات ڈال دی۔ فطرۃ التی فطرالناس علیھا۔ فطرت اس کو کہتے ہیں جس میں تعلیم و تعلم کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے حدیث میں ہے عشر من الفطرۃ۔ حضورؐ ان فطری امور کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔سر کے بالوں کا کٹوانا یا منڈانا، بغلیں صاف کرنا ناخن کاٹنا صاف کپڑے پہننا وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فطری امور میں داخل ہیں۔حیوانات کو بھی گندگی لگتی ہے تو اس کو صاف کرتے ہیں۔

تعلیم فطرت کا ایک نمونہ

امام شافعیؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو کیوں کر پہچانا۔آپؒ نے فرمایا کہ میں نے ایک بند قلعہ میں ایک جاندار شیٔ دیکھی۔وہ قلعہ سونے اور چاندی کے خول کے ساتھ ہر طرف سے ایسا بند تھا کہ اس شیٔ کے ساتھ ٹیلی فون یا کسی اور ذریعہ سے رابطہ ہی نہیں کیا جاسکتا تھا، وہ حیوان اس قلعہ سے جونہی نکلا تو دیگر جاندار اشیاء کی طرح حرکات و سکنات شروع کردیئے لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا معمہ ہے فرمایا کوئی معمہ نہیں یہ انڈا ہے۔اس سے بچہ (چوزا) نکلتا ہے انڈا کو اُبال کر دیکھیں تو زردی اور سفیدی دونوں جدا جدا ہوں گے۔سب سے اوپر انڈے کا سخت خول اس کے نیچے باریک سفید جھلی پھر سفیدی پھر زردی۔کئی بند قلعوں (خولوں) کے اندر اللہ بچہ پیدا کرتا ہے۔چوزا نکلتے ہی دانہ چگنے لگتا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں پہچان گیا کہ یہ کہیں سے تعلیم حاصل کرکے نہیں آیا بلکہ یہ کسی بھی درس گاہ کے بس کی بات نہ تھی کہ اس چوزے کو دانہ چگنے کی تعلیم دیتی۔یہ اس کی فطرت میں داخل تھا۔ خلق کل شیٔ فھدٰی۔

مرافقِ حیات

قرآن مجید میں ہے اللہ جس شیٔ کو پیدا فرماتے ہیں تو مرافق حیات (جن امور کو اختیار کرکے اس شیٔ کو زندگی بسر کرنا آسان ہو جائے) عطا کردیتے ہیں کہ تیری زندگی ان امور پر موقوف ہے۔

ہر حیوان کے پیدائش کے بعد کھانے پینے کے مختلف طریقے ہیں۔ان کی مائیں ان کا بندوبست کرتی ہیں یہ سب فطری امور ہیں جن میں تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔تو امام ترمذی اس طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ بیشک کھانا پینا فطری امور میں سے ہے لیکن اسلام اتنا جامع مذہب ہے کہ انسان کو کسی بھی موڑ پر بے لگام نہیں رکھنا چاہتا۔فطری امور میں بھی انسان کو تعلیم دینا چاہتا ہے۔آزاد نہیں چھوڑتا۔فطرت نہیں چھڑواتا، فطرت اپنی جگہ

پر رہے لیکن اس میں راہنمائی کرتا ہے۔ اگر ان فطری امور میں اسلام ہماری راہنمائی نہ فرماتا تو مادہ پرست قوموں اور ہمارے مابین کسی قسم کا فرق نہ ہوتا۔

اکل وشرب کے نظام کی اہمیت

اگر معترض کہے کہ ابواب الاطعمۃ غیر اہم بحث ہے کیوں ابواب التفسیر اور عبادت سے متعلق ابواب پر مقدم کیا۔ امام ترمذیؒ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سب سے اہم بحث یہی ہے۔ تمام خرابیوں کی جڑ ہی اکل وشرب ہے اگر کھانے پینے کے اس نظام کو درست نہ کیا تو اس کے اثرات عقائد اور عبادات پر پڑیں گے۔ ان کی تباہی کا ذریعہ بنیں گے تمام مادہ پرست قومیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ اُن کے ہاں اس اکل وشرب میں آزادی ہے کیونکہ وہ اس کو فطری معاملہ سمجھتے ہیں حالانکہ مدار تمام اعمال کا اسی کھانے پینے پر تھا لہٰذا ان کی فطرت مسخ ہو گئی کسی مذہب نے اُن کی اس سلسلہ میں راہنمائی نہیں کی کمیونزم، سوشلزم ہو یا کیپیٹلزم سب میں یہ مالی بحران اکل وشرب میں بے اعتدالیوں کی وجہ سے ہے۔ اقتصادی تباہیوں کی وجہ یہی ہے۔ حلال وحرام کی تمیز نہیں۔ لیکن اسلام ہمارے تمام امور میں دخل اندازی کرتا ہے۔ کتنی خوراک کھائی جائے کن حدود کے تحت ہو کس طریقہ سے کھائی جائے۔ کماً اور کیفاً شریعت اس کی تعین کرتی ہے کونسی خوراک حلال ہے کون سی حرام، دیگر مذاہب میں حلال وحرام کا فلسفہ ہے ہی نہیں۔ لیکن قرآن وحدیث ہمیں بتاتا ہے کچھ اشیاء حلال کچھ حرام ہیں۔ بعض مکروہ اور بعض مشتبہات کے قبیل سے ہیں۔

فلسفۂ حلال وحرام

اسلام نے انسان کو بے لگام نہیں چھوڑا کہ بکری بھی کھائے اور خنزیر بھی دودھ بھی پیئے اور شراب بھی نوٹوں کی ایک قسم کی طباعت ہے مگر ان کمائے ہوئے نوٹوں میں بھی کچھ حصہ حرام اور دوسرا حلال ہے۔ حرام اس لیے کہ سود کی رقم ہو گی یا چوری کی ڈاکہ وغیرہ کی بکریاں حلال ہیں ایک آدمی بکری ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہتا ہے تو بکری حلال ہے لیکن دوسرا آدمی ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتا بلکہ لات ومنات یا کسی بزرگ کا نام لیتا ہے تو ما اھل بہ لغیر اللہ میں یہ حلال جانور داخل ہو جائے گا تو ایک بکری حلال ہو گئی دوسری حرام حالانکہ بظاہر دونوں بکریاں ایک جیسی ہیں ایک ہی گوشت ہے تو یہ راہنمائی شریعت ہی کرتی ہے کوئی فلسفہ اور عقل ان دونوں بکریوں میں تمیز اور فرق نہیں کر سکتی۔ کسی بھی لیبارٹری میں ان دونوں بکریوں کے گوشت کا معائنہ کیا جائے تو دونوں کا گوشت ایک ہی طرح کا ہو گا۔ لیبارٹری سے حلال وحرام کی رپورٹ نہیں ملے گی۔

بیرون ملک کھانوں میں حزم واحتیاط کی ضرورت

اب مثلاً خنزیر کا گوشت ہے دیکھنے میں بڑا اعلیٰ معلوم ہوتا ہے۔ مرغ کے گوشت

سے بھی اچھا اور بڑھیا لگتا ہے۔

ہم نے کولمبو میں ایک کانفرنس میں شرکت کی ایک بڑے عالم اور مفتی بھی ہمارے ساتھ تھے۔ وہاں تو پاک پلید کی تمیز نہیں ہوتی ہر قسم کے کھانے موجود ہوتے ہیں۔ پاک اور پلید کو دلائل سے آپ نہیں سمجھا سکتے لوگ آپ کو پاگل سمجھیں گے۔ ہم ہر چیز کو غور کے ساتھ دیکھتے ہیں تاکہ حرام سے بچ جائیں۔ بعض کھانوں کے ساتھ نام لکھے ہوتے ہیں اس لیے خوب چھان بین کرتے ہیں۔ تو اس عالم نے مجھ سے کہا کہ میں تو اور کچھ نہیں جانتا بس صرف یہ سفید قسم کا گوشت جو ہے یہی کھاتا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ تو اب تک خنزیر کھاتے رہے۔ وہ بے چارہ بڑا پریشان ہوا۔

چین کے بازاروں میں بھی یہ سب گندی اور حرام چیزیں بکتی ہیں۔ جس طرح ہمارے ہاں بازاروں میں مرغے بٹیر اور بکریاں وغیرہ بکتی ہیں اس طرح اُن کے بازاروں میں سانپ اور اژدھے بکتے ہیں۔ بلکہ سانپوں کی الگ مارکیٹ ہوتی ہے وہاں جا کر اپنی پسند کا اژدھا خریدتے ہیں۔ جس طرح ہم ایک مرغی پسند کر کے خریدتے ہیں۔ سانپ کو مچھلی کی طرح صاف کر کے اس کی بوٹیاں بنائی جاتی ہیں اسی لیے کہ اُن کے مذہب میں حلال و حرام کو سمجھنے کا کوئی تصور اور فلسفہ نہیں نہ کوئی ایسی تشریح ہے کہ حلال و حرام متعین ہو جائے۔ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ الحلال بین والحرام بین وما بینهما مشتبهات، یحرم علیهم الخبائث انبیاء کرام اسی لیے تشریف لاتے ہیں کہ گندی اور پلید اشیا کی حرمت بیان کر دیں۔

کھانے میں بے اعتدالی کے نقصانات

اور یہ بھی بتا دیا کہ مقصد حیات صرف کھانا پینا نہیں یہ تو بقاء زندگی کا ایک ذریعہ ہے اس میں اعتدال کی تلقین کرتے ہیں کہ کم کھاؤ اگر زیادہ کھایا تو صحت تباہ ہو جائے گی۔ اور ہزاروں قسم کی بیماریاں پیدا ہو جائیں گی آج تمام امراض کا علاج ڈاکٹر حضرات اولاً قلت طعام سے کرتے ہیں کہ کم کھاؤ۔ روغن کا استعمال کم کر دو۔ گویا تقلیلِ طعام تمام بیماریوں کا علاج ہے۔ بلڈ پریشر ہو شوگر ہو یا دل کی بیماریاں ہوں سب خوراک کی بے اعتدالی کی وجہ سے ہیں لوگ صرف کھاتے پیتے ہیں۔ بڑی بڑی توندیں ہیں گردنیں موٹی ہو گئیں مقصد حیات صرف کھانا پینا بنا دیا۔ نئی تہذیب والوں کا یہی رویہ ہے۔

کھانے میں اعتدال تمام امراض کا علاج ہے

لیکن اسلام کہتا ہے کہ کھانے کے لیے حدود مقرر کرو، پیٹ کا ایک حصہ خالی رکھو۔ حضورؐ کے زمانہ میں یہود و نصاریٰ کے بڑے بڑے طبیب مدینہ میں آئے تاکہ مسلمانوں کا علاج معالجہ کریں اُن کا خیال تھا کہ یہ کمزور اور بیمار ہوں گے۔ انہوں نے

دیکھا کہ یہ تو سب ٹھیک ٹھاک ہیں کسی قسم کی بیماری ان کو نہیں لگتی اور یہ وجہ تھی کہ یہاں لوگ کھانا کم کھاتے ہیں صحابہ کرام کم خوراک استعمال کرتے تھے۔ بعض ادوار تنگی اور سختیوں کے بھی تھے خاص کر جب جہاد کے لیے نکلتے تھے۔ خشک کھجوروں اور پانی سے گزارا کرتے۔

حضورؐ اور صحابہ کرام کے سادہ کھانے

خود حضورؐ کے گھر میں کئی کئی مہینے ہانڈی نہیں پکتی تھی آگ نہیں جلتی تھی۔ الا الماء والتمر پانی اور کھجور سے بسر اوقات کر لیتے تھے۔ تو صحابہ کرام مٹھی بھر جو اور کھجور کھا کر کام زیادہ کرتے تھے تو وہ اطباء واپس چلے گئے کہ ان کو تو ان کے نبیؐ نے تعلیم ہی ایسی دی ہے کہ پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھانا جس کی وجہ سے بیماری ان کے قریب نہیں آتی۔ المؤمن یاکل فی معاً واحد والکافر یاکل فی سبع امعاء۔ مومن ایک آنت کے برابر کھاتا ہے اور کافر سات۔ آنتیں بھرتا ہے۔

پیٹ کی حکمرانی

آج لوگ لاکھوں کروڑوں روپے جمع کر رہے ہیں اسی پیٹ کی خاطر کہ کہیں فاقوں سے نہ مر جاؤں حد مقرر نہیں۔ ایک عالم نے فرمایا کہ پوری کائنات پر ایک بالشت پیٹ کی حکمرانی ہے۔ جتنے غلط ازم بنے ہیں، اسی پیٹ کی خاطر ہیں۔ حالانکہ فرمایا۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ما ارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین۔

ترجمہ اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا کہ میری عبادت کیا کریں۔ میں اُن سے رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا کہ وہ مجھ کو کھلایا کریں اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا ہے قوت والا نہایت ہی قوت والا ہے۔

وکاین من دآبۃ لا تحمل رزقھا اللہ یرزقھا وایاکم وھو السمیع العلیم۔

ترجمہ:۔ اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے اللہ ہی اُن کو روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے۔

اسلام میں مادہ پرستی اور معدہ پرستی کی گنجائش نہیں

یہ تمام حیوانات نہ کارخانے بناتے ہیں نہ بنک بلکہ ان سب کو اللہ رزق دے رہے ہیں۔ تو رزق ثانوی مسئلہ ہے اولًا عظیم مقصد اس کی عبادت ہے اسلام میں مادہ پرستی اور معدہ پرستی کی نفی ہے کافر تو یاکلون کما تاکل الانعام۔ حیوانات کی طرح کھاتے ہیں۔ یہ کفار کی حالت ہے۔ جس طرح

حیوانات کا کام کھانا پینا اور گھنا ہے۔ وہ تمتعون اور چند دن کے لیے دنیاوی نفع سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

متکبرانہ کھانے کا انداز کی مذمت

لیکن حضورؐ نے ان میں طور طریقے بھی بتا دیئے کہ تکبر کے کھانے سے پرہیز کرو۔ تکبر کے طریقے کھانے میں ترک کردو۔ مثلاً لیٹ کر کھانا یا گاؤ تکیہ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھایا جائے غرض ہر وہ طریقہ جس کے اندر تکبر ہو اُن کی نفی فرمادی۔ اور ان صورتوں سے بھی منع کر دیا جن کی وجہ سے پیٹ میں کھانا زیادہ چلا جائے۔ کھاتے وقت بیٹھنے کی مسنون شکلیں ہیں۔ کوئی ایسی شکل اختیار نہ کرے کہ خوراک زیادہ اندر چلی جائے۔ مثلاً آلتی پالتی مار کر (چہار زانو) بیٹھنا یا خوراک سے پلیٹ بھر کر ٹہلتے ہوئے کھانا جیسے کہ آج کل ہوتا ہے۔ یہ بے ادبی اور تکبر کا انداز ہے نیز کھڑے ہو کر کھانے میں آنتیں بالکل کھلی رہتی ہیں۔ تو خوراک زیادہ ہو جائے گی جس کی وجہ سے صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

کھانے میں تواضع اور انکسار

تو اسلام ہماری صحتوں کا بھی خیال رکھتا ہے۔ دینوی اور اُخروی فوائد کا لحاظ رکھتا ہے۔ بلا ضرورت کھڑے ہو کر پانی پینے کی بھی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی۔ انما انا عبدٌ اکل کما یاکل العبد فرماتے ہیں کہ میں تو ایک بندہ ہوں جس طرح ایک غلام کھانا کھاتا ہے میں اس طرح کھاؤں گا۔ غلام اور نوکر خود کو عاجز سمجھتا ہے۔ مالک کے ساتھ نہیں بیٹھتا آقا کی طرف سے جو کچھ ملتا ہے اس پہ بہت شکر گزار ہوتا ہے ایسی کیفیت اس پہ طاری ہوتی ہے کہ پتہ چلتا ہے کہ مالک کا بڑا احسان مند ہے۔

سائل کو جو کچھ ملتا ہے کاسۂ گدائی میں ڈال کر بڑی احسان مندی سے کھا کر دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوتا ہے تو حضور فرماتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے غلام ہیں۔ اس کی نعمت کو اس طرح استعمال کریں گے جس طرح ایک غلام اپنے آقا کی نعمت کو کام میں لاتا ہے۔ ہر ذرہ پر شکر گزار رہیں گے۔

کھانے کی ابتداء اور انتہاء کی دعا

کھانے کے آغاز میں بسم اللہ پڑھیں گے۔ یا کل الاکلۃ کل ویشرب الشربۃ فیحمد اللہ علیہا۔ اللہ اس پر خوش ہوتے ہیں کہ جو کھایا پیا اس پر اس کی حمد کی جائے۔ کھانے کے بعد بھی شکریہ ادا کرنا چاہا جائے آخر میں پھر دُعا پڑھے الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین

کھانے کے آداب

اور کیفیت بھی کھاتے وقت عاجزی کی ہو۔ حضورؐ فرماتے اما انا فلا آکل متکئاً کہ میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔ اگرچہ حرام نہیں لیکن رسول اللہ فرماتے ہیں کہ

میں اس طریقہ کو پسند نہیں کرتا تو اس کے صحابہ اور پیروکاروں کے لیے یہی کافی ہے کہ جب حضورؐ ایک طریقہ کو پسند نہ فرمادیں تو ان کا ایک امتی کیسے اس کی جرأت کرے گا۔ تو تمام طریقوں سے تکبر، تبختر، کفران نعمت کی نفی فرمادی اگر کھانا گر گیا اسس کو اٹھا کر صاف کر کے کھالو۔ کھانے کو گندی جگہ نہیں ڈالتا کیوں کہ یہ نعمت کی ناشکری ہے۔ اگر آپ کسی مہمان کے سامنے مرغ وغیرہ رکھ دیں وہ کچھ کھائے اور کچھ دور پھینکا دے تو آپ کیا محسوس کریں گے۔ کیا اس مہمان کے اس رویہ کو کوئی پسند کرے گا ہرگز نہیں۔

اسی طرح اللہ جب کسی کو انعامات سے نوازے تو اُن کی ناشکری پر بہت ناراض ہوتے ہیں۔ عاجزی اور بندگی کے اظہار پر خوش ہوتے ہیں حضورؐ سے جب نوالہ گرتا تو اسس کو اٹھا لیتے تھے اگر اسس پر کوئی گندگی وغیرہ لگی ہوتی تو صاف کر کے اللہ کے شکریہ کے ساتھ کھا لیتے تھے۔

بہرحال امام ترمذی نے ان فطری امور میں تعین مقدار اور اعتدال بتلانا چاہا۔ افراط تفریط سے پرہیز رکھو۔ بالکل بھوکا بھی نہیں رہنا بالکل نہ کھائے خودکشی کرے تو حرام ہے۔

عبادت میں اعتدال

حضور کے پاس ایک عورت آئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسس کی بڑی تعریف فرمائی کہ روزے رکھتی ہے ساری رات عبادت کرتی ہے بڑے مجاہدے کرتی ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا میں تو کھاتا بھی ہوں پیتا بھی ہوں اور رات کو نیند اور آرام بھی کرتا ہوں۔ فاقہ کشی تو خودکشی ہے۔ ولعینک علیک حق ولنفسك عليك حق۔ یعنی تجھ پر تیری آنکھ اور تیرے نفس کا حق ہے۔

اگر ایک طالب علم مسلسل مطالعہ کرتا رہے۔ تو استاد اور مصلح اس کو سمجھائے گا بدن کا بھی حق ہے آرام اور نیند بھی کرو۔ تو حضورؐ نے اس عورت کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی۔ جس نے جان جوکھوں میں ڈال رکھی تھی وہی کام کرو جو کر سکو۔ فاقہ کشی تفریط ہے۔ اللہ کے نعمتوں سے ایک دائرہ کے اندر مستفید ہوتے رہو۔ تبتل اسی لیے حرام ہے۔

صوم وصال کی ممانعت

صوم وصال سے منع کیا گیا۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ روزہ نہ بھی ہو تو رات کو خالی پیٹ نہیں سونا چاہیے۔ بلکہ کچھ کھا کر سویا جائے خالی پیٹ سونے سے صحت کو نقصان پہنچے گا تو صوم وصال سے منع فرمایا کہ ایکم مثلی تم میں سے کون میری طرح ہے۔ مجھے تو اللہ کھلاتا اور پلاتا ہے۔ روحانی طور پر۔ تو اس کے اندر میری اتباع نہ کرو ہر چیز میں بالکل اعتدال ہے۔ تفصیلات ان شاء اللہ آئیں گی۔ اطعمہ طعام کی جمع ہے کھانوں کے بارے میں حضورؐ سے جو کچھ منقول ہے حلت ہو یا حرمت یا کراہت فائدہ کی اشیاء اور نقصان کی سب کا ذکر آئے گا۔ حضورؐ کے

(بقیہ صفحہ ۵۸ پر)

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اسلامی تہذیب اور مثالی وحدت

جن باتوں کی طویل انسانی تاریخ اور علم النفس اور علم الاخلاق پوری تائید کرتے ہیں ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ بلند ترین مقاصد شریفانہ تعلیمات اور عمل کے اعلیٰ ترین نمونے اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتے اور اگر قائم ہو بھی جائیں تو دائم و باقی نہیں رہ سکتے جب تک کہ ان کی پشت پر ایک انسانی جماعت (بلکہ صحیح الفاظ میں ایک ایسی امت) نہ ہو، جو اس دعوت و تحریک کی علمبردار اور اس کے راستہ میں جد وجہد کرنے والی اور اس کا عملی نمونہ ہو۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض انبیاء علیہم السلام (چہ جائیکہ مصلحین و معلمین اخلاق اور حکمائے کبار) کی تعلیمات بھی اس وجہ سے زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہیں کہ ان کے پیچھے کوئی امت نہ تھی جو ان کے پیغام کی ذمہ داری سنبھالتی۔ اس راستہ میں جاں نثاری کرتی اور اپنی زندگی اپنے تمدن اور حکومت و معاشرت کے ذریعہ ان کا عملی نمونہ پیش کرتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جن علاقوں میں وہ بھیجے گئے تھے، وہاں کی زندگی ایک ایسے آب رواں کی طرح بن کر رہ گئی جس کی سطح ایک ہوتی ہے اور وہ اقوام و قبائل جانوروں کے اس ریوڑ کی طرح ہو گئے جن کا کوئی نگراں و نگہبان نہ ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسول اور خاتم النبیین ہوں۔ اور آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئے اور نہ کوئی اور کتاب نازل ہو۔ تو اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو اس خطرہ سے محفوظ کر دیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک پوری امت کو بھی مبعوث کیا۔ گو بعثت محمدیہ دوہری بعثت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی ایسی تعریف کی ہے جو نبوت کے بغیر کسی مبعوث اور مامور من اللہ ہی کی ہو سکتی ہے۔

"تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو" (آل عمران)

دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امت عادل بنا دیا ہے تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور رسول گواہ رہیں

تم پر" (البقرہ)

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اسی طرح کے الفاظ آئے ہیں۔ جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضہ کی ایک جماعت سے فرمایا۔

"تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو نہ کہ تنگی پیدا کرنے والے" (صحیح بخاری)

بعثت و دعوت کی ذمہ داری اور اپنی ماموریت و مسئولیت کا شعور احساس صحابہ کرام رضو تابعین عظام کے دلوں میں اس وقت بھی موجزن تھا جب ایرانی قائد جنگ رستم نے سیدنا ربعی بن عامر رض سے جنہیں سیدنا سعد بن ابی وقاص رض نے رستم کی طلب پر اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا یہ پوچھا کہ تمہارے یہاں آنے کا محرک و مقصد کیا ہے؛ تو انہوں نے یہ مومنانہ اور داعیانہ جواب دیا۔

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے کہ ہم جس کو وہ چاہے بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک خدا کی بندگی پر آمادہ کریں اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف اور مذاہب کے ظلم سے بچا کر اسلام کے سایہ عدل میں لائیں" (البدایہ والنہایہ)

اس نقطہ نظر نے انسانیت کے مستقبل کو بے حد متاثر کیا اور وہ لوگوں کے لیے مذاہب و تحریکات اور رجحانات کی تاریخ میں ایک نئے تجربہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ جس نے تاریخ میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ اس لیے چھٹی صدی مسیحی کی عالمی صورت حال (جو تقریباً ہر زمانہ میں رہی ہے) ایسی نہ تھی کہ اس پر چند صالح افراد اثر انداز ہوتے چنانچہ قرآن مجید خدائی غضب کے شکار یہودیوں کے درمیان بھی کچھ صالح افراد کی موجودگی کی گواہی دیتا ہے۔

"سب اہل کتاب یکساں نہیں (انہیں) اہل کتاب میں ایک جماعت قائم ہے یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔ یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں۔ اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں یہی لوگ نیکو کاروں میں سے ہیں" (آل عمران)

مگر ان صالح افراد کا انسانی معاشرہ اور انسانی عمل پر کوئی اثر نہ تھا، کیونکہ وہ صرف چند افراد تھے اور قومیں افراد کو خاطر میں نہیں لاتیں، چنانچہ ہر دور و دیار میں ایسے صالح افراد رہے ہیں اور اب بھی ہیں، جو اپنے کچھ اعمال و اخلاق اور عبادات میں دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں، لیکن جو خلاء اور مسئلہ قوموں اور نسلوں اور تمدن و معاشرہ کی سطح پر ہو وہ اس وقت تک پر نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ خیر و صلاح، اسوہ حسنہ اور عملی نمونہ بھی امت اور انسانی معاشرہ کی سطح کا نہ ہو جو بلند ترین نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تعلیمات، شریفانہ اصول و اخلاق اور مثالی انفرادی و اجتماعی عمل کی نمائندگی، حکومت و سیاست، تجارت و معاملت انفرادی و اجتماعی زندگی، افراد اور جماعتوں کے ساتھ برتاؤ اور قوموں اور حکومتوں کے ساتھ معاملات، رضامندی و ناراضگی، صلح و جنگ، فقر و غنا، ہر حالت اور ہر صورت

میں کرتا ہو اور اس امت و جماعت کی عام علامت اور ممتاز خصوصیت نہ بن چکا ہو۔ صحابہ کرامؓ اور وہ مبارک لوگ جنہوں نے گہوارہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں پرورش اور مدرسہ ایمان و قرآن میں تربیت پائی تھی، انہی مذکورہ علامات و خصوصیات کے مالک تھے۔

ایک انصاف پسند اور تاریخ عالم سے واقف مغربی اہل علم نے اس طبقہ کی بڑی کامیاب تصویر پیش کی ہے اور ان کی نمایاں و مشترک خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے، جو نبوت کا باغ تازہ اور قرآن کی فصل بہار کہلانے کا مستحق ہے، جرمن فاضل کاُ نتانی اپنی کتاب "سنین اسلام" میں لکھتا ہے۔

"یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی وراثت کے سچے نمائندے، مستقبل میں اسلام کے مبلغ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا رسیدہ لوگوں تک جو تعلیمات پہنچائی تھیں، ان کے امین تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل قربت اور ان سے محبت نے ان لوگوں کو فکر و جذبات کے ایک ایسے عالم میں پہنچا دیا تھا، جس سے اعلیٰ اور متمدن ماحول کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

درحقیقت ان لوگوں میں ہر لحاظ سے بہترین تغیر ہوا تھا اور بعد میں انہوں نے جنگ کے مواقع پر مشکل ترین حالات میں اس بات کی شہادت پیش کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے افکار کی تخم ریزی زرخیز زمین میں کی گئی تھی۔ جس سے بہترین صلاحیتوں کے انسان وجود میں آئے، یہ لوگ مقدس صحیفہ کے امین اور اس کے محافظ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لفظ یا حکم انہیں پہنچا تھا اس کے زبردست محافظ تھے۔

یہ تھے اسلام کے قابل احترام پیشرو جنہوں نے مسلم سوسائٹی کے اولین فقہا، اور محدثین کو جنم دیا۔

امت اسلامیہ میں عالمی نگرانی، اخلاق و رجحانات، انفرادی و بین الاقوامی طرز عمل کے احتساب۔ انصاف کے قیام، شہادت حق، امر معروف و نہی منکر کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے اور اس کو قیامت کے دن اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی پر جوابدہ بنایا گیا ہے۔

"اے ایمان والو! اللہ کے لیے پوری پابندی کرنے والے اور عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کرے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف ہی نہ کرو، انصاف کرتے رہو (کہ) وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ کو اس کی (پوری) خبر ہے کہ تم کیا کرتے رہتے ہو" (المائدہ)

اور اس امت کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی پر تنبیہ کی گئی ہے جس کے نتیجے میں انسانیت مصیبت و مشکل میں پھنس سکتی ہے اور روئے زمین پر فتنہ و فساد اور انارکی پھیل سکتی ہے، چنانچہ اس چھوٹے سے انسانی مجموعہ کو (جو مدینہ کی ابتدائی زندگی میں تھا، اور اس کی تعداد چند سو سے زائد نہ تھی) مخاطب کرتے ہوئے اور اسے

دعوت و عقیدہ کی بنیاد پر اسلامی اخوت قائم کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

"اگر یہ نہ کرو گے تو زمین میں (بڑا) فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا" (الانفال)

پھر کیا آج کی ملت اسلامیہ اس کی مخاطب نہیں جس سے معمورہ عالم آباد ہے، اور جو بڑی بڑی حکومتیں اور افرادی طاقت رکھتی ہے۔ جب وہ اپنے قائدانہ اور داعیانہ منصب و مقام کو خالی چھوڑ دے گی اور اپنی اجتماعی ذمہ داری (اخلاقی نگرانی اور رجحانات کے احتساب مظلوم کی حمایت اور ظالم کی مذمت و سرزنش) سے منہ موڑ لے گی تو دنیا پر اس بڑی کوتاہی اور خطرناک غلطی کا کیسا برا اثر پڑے گا۔

قرآن اس امت کو اس کے داعیانہ قائدانہ مقام اصلاح کی ذمہ داری اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی مسولیت کی یاد گذشتہ اقوام کا حوالہ دیتے ہوئے اور اس کے شعور و احساس کو بیدار کرتے ہوئے دلاتا ہے۔

"پس کاش تمہارے پیشتر کی امتوں سے ایسے باشعور لوگ ہوتے جو منع کرتے ملک میں فساد (پھیلانے) سے بجز چند لوگوں کے جن کو ہم نے ان میں سے بچا لیا تھا اور جو لوگ (اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، وہ جس ناز و نعمت میں تھے اسی کے پیچھے پڑے رہے اور (عادی) مجرم ہو گئے۔" (ہود)

شاعر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال نے اس حقیقت کو اپنی نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں بڑی خوبی سے پیش کیا ہے اور صدر مجلس ابلیس کی زبان سے اس خطرہ کی نشاندہی کی ہے، جو مسلمانوں کے وجود، ان کی بیداری اور ان کی عالمی ذمہ داری سے ابلیسی نظام کو لاحق ہے، چنانچہ ابلیس اپنے مشیروں سے کہتا ہے۔

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسم شش جہات — ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے — تا بساط زندگی پر اس کے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام — چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر — جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات۔

اس نقطہ نظر سے یہ بات لازمی ہو جاتی ہے کہ انسانی تمدن میں تاثیری عمل جاری رہے اور وقتاً فوقتاً سے اس کا از سر نو جائزہ لیا جاتا رہے اور تخریبی اور شر پسند عناصر اور فاسد و مہلک رجحانات سے برابر اس کی حفاظت کی جاتی رہے۔

اس کے خاص طور پر دو سبب ہیں، ایک تو یہ کہ اقوام عالم صلاح و فساد کے لیے اور متضاد عناصر کے تابع اور ان سے متاثر ہوتی رہتی ہیں اور زندگی ہر دم رواں دواں ہے اور اس کا کارواں کہیں اور کبھی ٹھہرتا نہیں۔

اس لیے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اس کی سمت و رفتار کو دیکھتے رہنا اور اس کی نئی ضرورتوں کو پورا کرنا ناگزیر ہوتا ہے، افسوس کا مقام ہے کہ اس عہد اخیر میں تخریبی، مفسد تحریکوں اور فلسفوں کے زیر اثر آ کر ملت اسلامیہ عالمی قیادت کے میدان سے الگ ہو کر گویا اپنے خول میں بند ہو کر رہ گئی ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ امت اسلامیہ ہی آخری آسمانی پیغام کی حامل ایک ابدی امت اور انسانیت کی مرکز امید ہے، اس لیے اسے اپنے پیغام کو سینے سے لگائے رہنا چاہیے اور قافلہ انسانیت کی قیادت اور دنیا کی نگرانی اور عقائد و اخلاق اور انفرادی و بین الاقوامی تعلقات پر نظر رکھنی چاہیے، اس لیے کہ قومیں صرف تاریخ کے سہارے یا اپنی عظمت رفتہ اور گزشتہ کارناموں کی بدولت نہیں بلکہ جہد مسلسل، دائمی سرگرمی مستقل احساس ذمہ داری، ہمہ دم قربانی کے لیے آمادگی، جدت و ندرت اور اپنی تازہ کار قوت افادیت و صلاحیت کے بل پر زندہ تابندہ رہتی ہیں، وہ جب اپنے منصب و مقام کو چھوڑ کر گوشہ عافیت میں چلی جاتی ہیں تو تاریخ کے دفتر پارینہ کا حصہ بن جاتی ہیں اور زمانہ انہیں طاق نسیاں پر رکھ دیتا ہے، اس لیے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضرورت ہے کہ وہ از سر نو اپنے دعوتی، تہذیبی اور قائدانہ کردار کے ساتھ سرگرم سفر ہو۔

وہ عالمی وحدت جس کی وسعت، گہرائی اور پائداری کی مثال تاریخ نے انسانی تہذیبوں اور معاشروں میں نہیں دیکھی، وہ وحدت عقیدہ کی بنیاد پر قائم تھی، اور اب بھی قائم ہے اور وہ عقیدہ توحید، نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) حیات بعد الموت پر ایمان کا نام ہے، جس میں بظاہر کائنات اور قدرت الٰہی کے مشاہدہ اور توجیہ میں یکسانیت پائی جاتی ہے اور اشیاء کی ماہیت اور ان کی قدر و قیمت، اللہ پر ایمان، مقصد تخلیق و تکوین اور زندگی کے لیے ثباتی اور ان اقدار پر یقین سے متعین ہوتی ہے جو اسلام نے قائم کئے ہیں اور جنہیں اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی زندگی، اور صدر اول کے مسلمانوں نے اپنی استطاعت و صلاحیت کے اس فرق کے ساتھ (جو زمانہ، ماحول، تربیت اور خارجی اثرات کا فطری نتیجہ ہے) پیش کیا جاتا ہے، لیکن وہ وحدت تمام اسلامی معاشروں میں اور اسلام کے ظہور کے بعد تمام زمانوں میں قدر مشترک رہی ہے، اور ایک امت اور ایک مذہب کے متبعین کے درمیان تمام مشترک عناصر سے زیادہ واضح، زیادہ ممتاز اور زیادہ گہرائی رکھتی ہے۔

اس کے بعد اسلام کی تہذیبی وحدت ہے جو بڑی حد تک احکام شرعیہ اور اخلاقی تعلیمات کی بنیاد پر (معیاروں اور ان پر عمل کی نوعیت کے اختلاف کے باوجود) قائم ہے، اس اختلاف سے مفر نہیں جو اسلام لانے والی قوموں، ملکوں، زمانوں، اور حکومتوں کے اختلاف کا نتیجہ ہے، مگر یہ تہذیب اسلام کی مخصوص چھاپ رکھتی ہے اور عقیدہ میں توحید، معاشرت میں احترام انسانیت و مساوات اور اخلاق اور طرز عمل کے معاملہ میں (دوسری تہذیبوں کے مقابلہ

ہیں، خوف خدا اور حیا، تواضع رکھتی ہے، اسی طرح عمل کے میدان میں سعی آخرت اور اللہ کے لیے جہاد، میدان جنگ میں (دوسری معاصر مادی تہذیبوں کے بالمقابل) رحمت و مروت اور انفرادی خانگی زندگی میں " طہارت "، کی ممتاز علامت رکھتی ہے اور جو اس نظامت و صفائی سے بلند تر اور الگ حقیقت ہے جو ترقی یافتہ اور صالح تہذیبوں میں مشترک ہے، اسی طرح جانوروں اور پرندوں کے گوشت کو پاک کرنے کے لیے وہ ذبح و قربانی کا طریقہ اپناتی ہے

وحدت کی ممتاز علامتیں :-

مختلف ملکوں میں مسلمانوں کے نام ان کے دور دراز فاصلوں پر واقع ہونے اور لسانی و تہذیبی اختلافات کے باوجود اوروں سے ممتاز اور اکثر عربی اور انبیاء و صحابہؓ و اہل بیتؓ اور سلف صالحین کے ناموں سے ماخوذ ہوتے ہیں اور ان میں عقیدہ توحید اور خدا کے لیے حمد و عبدیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور عقیدت و محبت کی علامت کے طور پر " محمد و احمد "، نام بکثرت رکھے جاتے ہیں۔

باہمی ملاقات میں السلام علیکم کہنے کا بھی عام رواج ہے، بہت سے قرآنی الفاظ اور آیات الحمد للہ، ماشاء، انشاء اللہ، انا للہ و انا الیہ راجعون اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ مختلف مواقع اور ضرورتوں پر ورد زبان رہتی ہیں۔

یہ دینی وہ تہذیبی وحدت، فرائض و واجبات مذہبی شعائر، اجتماعی تقریبات کے موقع پر زیادہ ابھر کر سامنے آتی ہے، چنانچہ پانچوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر (مختلف ملکوں کے اوقات کو سامنے رکھتے ہوئے) متعین رکعتوں کے ساتھ زیادہ تر مسجدوں میں ادا کی جاتی ہیں۔ اور ان میں کوئی بھی اور کہیں کا رہنے والا اور کوئی زبان بولنے والا مسلمان شریک ہو سکتا ہے اور بغیر کسی مقامی تعلیم و رہنمائی کی مدد کے نمازیوں کی طلب پر امامت بھی کر سکتا ہے، قرآن مجید وہ تنہا آسمانی کتاب ہے، جو تمام ملکوں اور زمانوں میں تجوید و ترتیل سے پڑھی اور حفظ کی جاتی رہی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا نے اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذیل میں لکھا ہے۔

" قرآن روئے زمین پر سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے "

اس طرح اذان تمام مسجدوں سے یکساں الفاظ میں دی جاتی ہے، ماہ رمضان تمام عالم اسلام میں (موسموں کے اختلاف کے باوجود) روزوں کا مہینہ ہے مسلمان دو عیدیں (عید الفطر و عید الضحیٰ) مناتے ہیں اور اللہ کے شکرانے کے طور پر دوگانہ ادا کرتے ہیں اور اس کے بعد خطبہ میں اپنے فرق و مراتب کے باوجود سبھی مسلمان شریک ہوتے ہیں، اسی طرح حج کے لیے سب لوگ دور دراز مقامات سے مکہ معظمہ کا قصد کرتے ہیں اور یہ سب اسلام کی طویل تاریخ میں بغیر انقطاع اور سیاسی انقلاب اور اجتماعی و اقتصادی تغیرات کے باوجود ہوتا رہتا ہے، یہی ایسی وحدت کا نمونہ پیش کرتا ہے، جس کی اقوام و ملل اور مختلف معاشروں میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

اس منفرد وحدت کو متعدد مغربی فضلاء اور اصحاب فکر و اہل قلم نے محسوس کیا اور اسے سراہا ہے، ہم یہاں صرف چند شہادتوں پہ اکتفا کرتے ہیں۔ ہملٹن گب لکھتا ہے۔

"اسلام ایک تصویر ہے، جو ایک مربوط لیکن مختلف سیاسی معاشرتی اور مذہبی اجتماعیت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے اور اس نے مختلف خطوں اور ادوار میں، مقامی، جغرافیائی، سماجی اور سیاسی قوتوں سے اثر پذیر ہو کر مختلف خصوصیات کا اظہار کیا ہے، مثال کے طور پر شمال مغربی افریقہ اور عہد وسطی کے اسپین کا مغربی ایشیا میں اسلام کے مرکز سے گہرا تعلق تھا، ان کی تہذیب اسی مرکزی تہذیب کی ایک شاخ تھی، لیکن انہوں نے کئی امتیازی خصوصیات پیدا کیں۔ جنہوں نے مغربی ایشیا پر بھی اثر ڈالا، دوسرے بڑے اور خود کفیل خطوں مثلاً تختی برا عظم ہند اور انڈونیشیا اور جنوبی روس کے صحرائی علاقوں سے لے کر چین کی سرحدوں تک متوازی عوامل نے اسی طرح امتیازی خصوصیات پیدا کیں، لیکن ان سب نے اور ان میں سے ہر ایک نے آسانی سے قابل شناخت اسلامی رنگ برقرار رکھا ہے"

ولفرڈ کانٹویل اسمتھ لکھتا ہے۔

"مسلمانوں کی کامیابی ان کے مذہب کی داخلی کامیابی ہے، وہ صرف میدان جنگ میں فاتح نہیں ہوئے اور انہوں نے زندگی کے مختلف شعبوں پر ہی اثر نہیں ڈالا بلکہ مقابلتاً مختصر عرصہ میں انہوں نے زندگی کو ایک ایسی مجموعی شکل دینے میں کامیابی حاصل کی جسے تمدن کہتے ہیں، اسلامی تہذیب کی تشکیل میں مختلف عوام جیسے عرب، یونان، شرق اوسط کی سامی تہذیب، ساسانی ایران اور ہندوستانی عناصر نے حصہ لیا، مسلمانوں کا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے ان سب عناصر کو ایک ہم جنس طریقہ زندگی میں متحد کر دیا اور اسے باقی رکھنے کی قوت فراہم کی، زندگی کے ہر رخ کو اس نے اسلامی شکل دی خواہ اس کے ترکیبی عناصر کی ماہیت کچھ بھی رہی ہو"

اسلامی طرز زندگی نے معاشرہ کو وحدت و قوت عطا کی، متحد رکھنے والی اس وقت میں مذہبی قانون کو مرکزی مقام حاصل تھا جس نے اپنے طاقتور اور متعین دھارے کے ذریعہ رسوم و عبادات سے لے کر ملکیت تک ہر چیز کو منضبط کر دیا، شرعی قانون نے اسلامی معاشرہ کو قرطبہ سے ملتان تک وحدت عطا کی اس نے مسلم افراد کو بھی وحدت عطا کی اور اس کی زندگی کے سبھی اعمال کو ملکوتی رنگ دے کر بامعنی بنا دیا۔ معاشرہ کو تسلسل دے کر اس نے زمانہ کو بھی وحدت بخشی، سلاطین کا سلسلہ آتا اور جاتا رہا، لیکن ان کی حیثیت ربانی احکام کے مطابق کرہ ارضی پر عمرانی زندگی کی تشکیل کی مسلسل کوشش میں محض ضمنی رہی۔

اسلامی تہذیب، ایسی تہذیب ہے جس کا ضمیر و خمیر اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی اور اس کا یقین ایمان ہے، وہ خدائی رنگ (صبغۃ اللہ) میں رنگی ہوئی ہے اور ایمان و اذان کی بنیادوں پہ قائم ہے، اس لیے اس کو دینی رنگ

اور ربانی آہنگ اور ایمانی روح سے الگ کرنا ممکن نہیں اور اس پر جب بھی قومی عصبیت، جاہلی حمیت، نسلی کشمکش، مادی ہوس، اخلاقی زوال یا معاشرتی انارکی طاری ہوئی ہے، تو وہ عارضی طور پر یا خارجی اثرات یا اس ماحول و معاشرہ کی دین ہی ہے، جس سے کوئی اسلامی عنصر نکلا ہے، یا اس میں اسلامی ثقافت سے عدم تاثر و استفادہ اور قرآن کریم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے اولین و اساسی مصادر سے عدم اشتغال کو دخل رہا ہے۔

اسی لیے مسلم اقوام و ممالک کی تاریخ میں اصلاحی و تجدیدی، فساد و بدعات اور جاہلی اثرات کے خلاف جدوجہد کا ایسا تسلسل رہا ہے جس کی غیر اسلامی اقوام و مذہب میں کوئی مثال نہیں ملتی، اسی طرح ان مبارک کوششوں کو ایسی کامیابی بھی ملی جو دوسری اقوام و مذاہب کی تاریخ میں نا پید ہے، اور ایسا اس لیے ممکن ہو سکا کہ یہ کوششیں اس امت کے جوہر ذاتی، اس کی روح اور اس کے ذہن و نفسیات سے مطابقت رکھتی تھیں، اور وہ انہیں اصول و مبادی سے عبارت تھیں جن پر اس امت کا وجود قائم تھا اور جہاں سے اس کا تاریخی سفر شروع ہوا تھا۔

اسلام کی تہذیبی عطا اور انسانی تہذیب پر اس کے احسانات کی شرح اور قافلہ انسانیت کو زوال و خودکشی سے بچانے اور اسے فروغ و ترقی عطا کرنے کے سلسلہ میں اسلام کی عظیم خدمات کے ذکر کے بعد ایک ابدی و تاریخی حقیقت کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ انسانی تہذیب میں تاثیری عمل، اور اس کا وقتاً فوقتاً از سر نو جائزہ لیتے رہنے اور اسے "قدیم صالح وجدید نافع" کا امتزاج عطا کرنے اور اسے تخریبی و مہلک عناصر اور فاسد و مفسد رجحانات سے بچانے کا عمل مستقل اور مسلسل طور پر انجام دیا جانا چاہیئے۔

دوسری عالمی و تاریخی حقیقت یہ ہے کہ امت اسلامی، انسانی تہذیب پر اس حالت میں اثر انداز نہیں ہو سکتی کہ وہ خود دوسری تہذیبوں کے دسترخوان کی ریزہ چین ہو، اور ان کے سرچشمہ سے سیراب ہو رہی ہو اور ان کے اثرات میں گلے گلے ڈوبی ہوئی ہو، وہ اس صورت حال میں تو اوروں کو متوجہ بھی نہیں کر سکتی، چہ جائیکہ وہ دوسری قوموں کو اپنی تقلید پر آمادہ کر سکے، ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے، جب وہ پوری طرح اس بات پر ایمان رکھتی ہو کہ اس کی تہذیب و ثقافت مستقل بالذات ہے اور ربانی و آسمانی خصوصیات رکھتی ہے، ہر زمانے اور ہر جگہ کے لیے مناسب و مفید ہے، مضبوط بنیادوں پر قائم اور کتاب و سنت سے ماخوذ اور ربانی ہدایات اور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ اور اس میں عفت و طہارت کا ایک خاص تصور ہے، کیونکہ اس کی "طہارت"، صرف "نظافت" کے مترادف نہیں اور نہ اس کے یہاں "عفت" کا مفہوم اخلاقی غلطیوں سے اجتناب تک محدود ہے، بلکہ اس کے وسیع معانی اور دور رس اور ہمہ گیر مفاہیم ہیں، اسلامی زندگی مغربی تہذیب سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، جس کی نشوونما مخصوص تاریخی عوامل کے زیر اثر اور ایسے ماحول میں ہوتی ہے، جس پر مادیت کا غلبہ تھا اور ایک طویل عرصہ تک اس پر مذہب دشمنی اور اخلاق و صالح اقدار سے بغاوت کی حکمرانی

(بقیہ صفحہ ۲۵ پر)

جناب ڈاکٹر عبدالغنی صاحب

قرآن کا نظریۂ کائنات

(۲)

منصوبۂ تخلیق | حیات و کائنات کے وجود کا تجسس کرتے ہوئے ہر صاحب علم کو یہ جاننے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ زمین سے آسمان تک فطرت کے عظیم الشان نظام کا منصوبۂ تخلیق کیا ہے!

اس اہم ترین سوال کا بہترین جواب وہی ہے جو خود خدا کے لفظوں میں قرآن مجید نے دیا ہے اس سلسلے میں حسب ذیل آیات پر اچھی طرح غور کیا جانا چاہیئے۔

"یہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں ہم نے کھیل کے طور پر نہیں بنا دی ہیں۔ ان کو ہم نے برحق پیدا کیا ہے، مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں" (الدخان ۳۹ - ۳۸)

"نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے، اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی" (الملک ۱ - ۲)

"اللہ نے تو آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے کہ ہر متنفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے۔ لوگوں پر ظلم ہرگز نہ کیا جائے گا" (الجاثیہ ۲۲)

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، یہیں ہمیں مرنا اور جینا ہے اور گردش ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو۔ درحقیقت اس معاملے میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے، یہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں" (الجاثیہ ۲۴)

"لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان سب کا خالق ہے، تمہارے بچنے کی توقع اسی صورت سے ہو سکتی ہے" (البقرہ - ۲۱)

"پس یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی، یہی بالکل راست اور درست ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں" (الروم ۳۰)

"ہم نے اس آسمان اور زمین کو اور اس دنیا کو جو ان کے درمیان ہے فضول پیدا نہیں کیا ہے" (ص ۲۷)

"پھر ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں"، انہوں نے عرض کیا! "کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خونریزیاں کرے گا؟ آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کی تقدیس تو ہم کر رہے ہیں" فرمایا:" میں

جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے" اس کے بعد اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: "اگر تمہارا خیال صحیح ہے کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائے گا تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ" انہوں نے عرض کیا: "نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے، ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دے دیا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں" پھر اللہ نے آدم سے کہا:

"تم انہیں ان چیزوں کے نام بتاؤ" جب اس نے ان کو ان سب کے نام بتا دیے تو اللہ نے فرمایا: "میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی وہ ساری حقیقتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں، جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی مجھے معلوم ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اسے بھی میں جانتا ہوں" پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھک جاؤ تو سب جھک گئے، مگر ابلیس نے انکار کیا۔ وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں شامل ہو گیا (البقرہ ۳۰ تا ۳۴)

"خلق اور امر دونوں اسی کے ہیں" (الاعراف ۵۴)

"ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھا لیا" (الاحزاب ۷۲)

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات و کائنات کی تخلیق ایک منصوبے کے تحت، ایک مقصد کے لیے ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ خدا کی بندگی کرتے ہوئے انسان اپنی زندگی میں روئے زمین پر نیابتِ الٰہی کی امانت کا حق ادا کرے اور اس مقصد کے لیے جہاں ہر ہر فرد بہترین شعور و کردار کا ثبوت دے وہیں پوری نوعِ انسانی ہر سطح پر ہمہ جہت ترقی کرے، تاکہ عالم وجود کا ارتقا اس حد تک پہنچ جائے جو خدا نے مخلوقات کی ہستی کے لیے مقرر کر دی ہے یہ فروغِ ہستی عروجِ انسانیت بھی ہے۔ اسلام کی روایات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہونے والی روحانی و جسمانی معراج، جس کا بیان قرآن کی سورہ بنی اسرائیل اور سورہ نجم میں ہوا ہے، ایک مربوط و متوازن ارتقائے وجود کی وہ انتہا ہے جس کے آگے انسان کا تصور نہیں جا سکتا۔

پھر خدا نے خلق اور امر دونوں کی نسبت اپنی طرف کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے دنیا بنا کر چھوڑ نہیں دی ہے بلکہ جیسا کہ قرآن کی متعدد آیتوں سے واضح ہوتا ہے تخلیقِ کائنات کے بعد بھی خالق کائنات کلی و عمومی آفاقی اقتدار کے عرش پر بیٹھا ہوا کارخانۂ ہستی کا سارا انتظام چلا رہا ہے۔ ازل سے وجود کی تقدیر اس نے بنائی ہے اور ابد تک وجود کے تمام امکانات کو روبہ عمل لانے کی تدبیر بھی وہی کرتا رہے گا۔ وہ حیات و کائنات کی تمام شکلوں کا پروردگار (رب) ہے اور اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ وہ تمام دائروں میں رونما ہونے والی زندگی کی ہدایت بھی

کرتا ہے:

"ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی، پھر اس کو راہ بتائی۔" (طٰہٰ ۵۰)

اس خیال انگیز آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ کہتے ہیں:

"یعنی دنیا کی ہر شے جیسی کچھ بھی بنی ہوئی ہے اسی کے بنانے سے بنی ہے۔ پھر ایسا نہیں کیا کہ ہر چیز کو اس کی مخصوص بناوٹ دے کر یونہی چھوڑ دیا ہو، بلکہ اس کے بعد وہی ان سب چیزوں کی رہنمائی بھی کرتا ہے۔ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے اپنی ساخت سے کام لینے اور اپنے مقصد تخلیق کو پورا کرنے کا طریقہ اس نے نہ سکھایا ہو۔ کان کو سننا اور آنکھ کو دیکھنا، مچھلی کو تیرنا اور چڑیا کو اڑنا اسی نے سکھایا ہے۔ وہ ہر چیز کا صرف خالق ہی نہیں، ہادی اور معلم بھی ہے۔"

مخلوقات کے اتنے زبردست ہمہ گیر اور مؤثر انتظام کے بعد سب کو اشرف المخلوقات کے لیے مسخر کر دیا گیا تاکہ وہ سطح وجود بارو ئے ارض پر خدا کے کائنات کی نیابت کرتے ہوئے اپنی زندگی کا امتحان اپنی تمام قوتوں کے ساتھ دے اور خالق کے حضور میں سرخ رو ہو کر آخرت کی حیاتِ ابدی کا سامان کرے۔ یہ امتحان میں کامیابی کا انعام ہوگا، جبکہ ناکامی کی سزا مکمل تباہی ہے۔

سائنس اور قرآن کے نظریات کا موازنہ

حیات و کائنات کی زندگی و ترقی کے متعلق سائنس اور کائنات کا جو مختصر بیان عمومی طور پر گزشتہ سطور میں کیا گیا ہے ان کا ایک تقابلی مطالعہ کرنے سے اولین حقیقت یہ واضح ہوتی ہے کہ سائنس اپنی محدود اور ناقص معلومات کی وجہ سے کوئی بات یقینی طور پر صاف صاف نہیں کہہ سکتی، جب کہ قرآن خدا کے بے پایاں اور کامل علم کی بنا پر ہر چیز بالکل قطعی طور پر صراحت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سائنس کے بیانات سے وہ اعتماد نہیں پیدا ہوتا جو مثبت اور مؤثر عمل کا سرچشمہ ہے۔ اس کے برخلاف قرآن کے ارشادات یقین و اعتماد کی کیفیت پیدا کرتے اور بہترین عمل کی تحریک کر سکتے ہیں۔ یہ فرق نہایت اہم ہے۔ انسان کی زندگی بے عمل فکر کی بنیاد پر نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ باقی رہ سکتی ہے۔ لہٰذا انسانیت کی بقا و ترقی کا تقاضا ہے کہ اس فکر کو اختیار کیا جائے جو نتیجہ خیز ہو، محض خرد کے بدلتے ہوئے نظریات کا کھیل نہ ہو، زندگی کا ایک مستقل تصور ہو جو ایک مقصد حیات سے عشق اور اس کے لیے عمل کا جذبہ پیدا کرے۔

ارتقاء کی گفتگو کرنے کے باوجود سائنس دانوں کے خیالات میں جمود کا ایک عنصر ہے اور وہ ان کی خدا بے زاری کا پیدا کیا ہوا ہے، جو ہر سچا بے عقلی کی ایک بے بنیاد بات ہے اس کے برخلاف قرآن کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک متحرک کائنات میں سانس لے رہے ہیں جو ہمہ دم حرکت کر رہی ہے۔ "کن فیکون" کی صورت

میں خدا کی قدرت اور مشیت کا عمل مسلسل جاری ہے۔ خدا اوّل تو "بدیع السماوات والارض" (الانعام: ۱۰۱) یعنی آسمان و زمین کا موجد ہے، دوسرے وہ تخلیق کی ابتدا کے ساتھ اس کا اعادہ کرنے والا بھی ہے مزید ارشاد ہے:

"اور کیا ان لوگوں کو یہ سجھائی نہیں دیتا کہ جس خدا نے یہ زمین و آسمان پیدا کیے اور ان کو بناتے ہوئے وہ نہ تھکا، وہ ضرور اس بات پر قادر ہے کہ مردوں کو جلا اٹھائے؟ کیونکہ نہیں یقیناً وہ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے۔"
(الاحقاف ۳۳)

واقعہ یہ ہے کہ زندگی کے بعد زندگی اور دنیا کے بعد آخرت کا تصور قرآن و اسلام کے نظریۂ حیات و کائنات کے انتہائی متحرک ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے، جبکہ دنیا کی زندگی تک محدود سائنس دانوں کے افکار کی دہریت ان کے جمود فکر کی دلیل ہے۔

سائنس کے نظریہ حیات و کائنات میں ربط و تسلسل کی بھی سخت کمی ہے۔ ارتقاء کی گم شدہ کڑیاں بھی انہیں معلوم نہیں۔ یعنی ایک ایسا میکانکی و حیوانی ارتقاء ہے جس میں رخنے ہی رخنے ہیں، جن کو بھرنے کے لیے صرف مفروضے HYPOTHESIS قائم کر لیے گئے ہیں اور ان پر اصول موضوعہ POSTULATES کی طرح یقین کیا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف قرآنی نظریہ بالکل مربوط و مسلسل ہے اور مفروضوں کے بجائے قطعی بیانات پر مشتمل ہے۔ بلاشبہ ان بیانات کو عقائد DOGMAS کا اظہار کہا جا سکتا ہے، لیکن یہ ایک فطری و منطقی صورتِ حال ہے۔ اس لیے کہ غیب کے متعلق مشاہدے اور تجربے کی بات نہیں کی جا سکتی، لامحالہ ایمانیات کی بات ہی کی جائے گی۔ یہ بھی اگرچہ اصول موضوعہ ہیں مگر یہ انسانی گمان و قیاس پر مبنی اور مشتبہ اس لیے نہیں کہ یہ وحی کے خدائی الفاظ ہیں جن کی صداقت کی تردید کسی واضح دلیل سے نہیں کی جا سکتی۔

سائنس حیات کی ابتدا اور ایک مدت تک اس کے ارتقاء کو ایک خود کار AL-HANI-E عمل مانتی ہے اور انسان کے اندر شعور کے آغاز سے پہلے حیوانی ادوارِ زندگی فرض کرتی ہے۔ اس کے برخلاف قرآن کا نظریہ ہے کہ ایک علیم و خبیر ہستی نے پوری حکمت کے ساتھ کائنات اور اس کی موجودات کی تخلیق کے ساتھ ساتھ حیات کو درجہ بہ درجہ ترقی دی، اس کے مختلف مرحلے اور دائرے متعین کیے، یہاں تک کہ مٹی کے پتلے میں روح پھونکنے کے فوراً بعد اسے علم و شعور کی دولت سے اس حد تک مالا مال کر دیا کہ وہ مخلوقات میں سب سے افضل بن گیا اور فرشتے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکے تو بحکم خداوندی اس کے آگے جھک گئے، چنانچہ خدا نے روئے زمین پر انسان کو اپنا نائب بنا کر کائنات کی تمام اشیاء کو اس کی خدمت اور اس کے استعمال کے لیے مسخر کر دیا۔ یہ جذباتی تصورات نہیں ہیں، دانش مندانہ افکار ہیں، عملی مشاہدات ہیں، جن کی بنا پر اور جن کی بدولت ہی دنیا میں انسان کی زندگی کا کوئی مصرف و مقصد، مطمح نظر و نصب العین نظر آتا ہے، اس کی سنجیدگی اور ذمے داری واضح ہوتی ہے اور اس کی افادیت و اہمیت کا پتا

چلتا ہے۔

اس کے باوجود قرآن سائنس کی کتاب نہیں ہے، یہ تو زندگی کا ہدایت نامہ ہے۔ لہٰذا قرآن سائنس کی طرح فارمولے نہیں پیش کرتا، نہ حیات و کائنات کے ارتقاء کے مراحل سے بحث کرتا ہے ـــــ اس کے بجائے وحی الٰہی صرف ان بنیادی امور پر روشنی ڈالتی ہے جن کا تعلق زندگی اور اس کے معاملات سے ہے۔ چنانچہ حیات و کائنات کی تخلیق و تشکیل اور توسیع و ترقی کے متعلق نازل ہونے والی آیاتِ قرآنی کا مطلب و مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے ماحول کے حقائق کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لے اور اس سلسلے میں اس کا ذہن صحیح طور پر کام کرے، تاکہ دنیا میں انسان کا کردار درست رہے، وہ راہِ راست پہ چلے اور منزلِ مقصود کی طرف بڑھے۔ اسی لیے حیات و کائنات کے حقائق کی تفصیل میں جانے کے بجائے قرآن نے ان کی طرف اشارے کرنا کافی سمجھا ہے۔ کہنا چاہیئے کہ قرآن نے ان سوالات کے جواب دے کر ان مسائل کے حل کی شاہ کلید اہلِ ایمان کے حوالے کر دی ہے جن میں اہل علم زمانۂ دراز سے الجھے ہوئے ہیں ـــــ اب یہ صاحب ایمان سائنس دانوں کا کام ہے کہ وہ قرآنی اشارات کی روشنی میں لادین سائنس دانوں کے دہریت پسندانہ نظریات کی تردید اور قرآن کے پیش کیئے ہوئے ایمان افروز تصورات کی تشریح و توضیح کریں۔

صحیح علمی رویہ علم انسان کے وجود کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، جب کہ علم کے موضوعات بنیادی طور پر دو ذریعوں سے ملتے ہیں: ایک وہ جو مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہوتے ہیں، دوسرے وہ جن کا انکشاف وحی کے ذریعہ ہوتا ہے ـــــ یہ آخری علم غیب کی باتوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سے حیات و کائنات کا آغاز و انجام معلوم ہوتا ہے۔ ابتدا و انتہا کے متعلق جو سوالات انسان کے ذہن میں آتے ہیں، مثلاً:

۱۔ ہستی کا سفر کب اور کیسے شروع ہوا؟

۲۔ اس سفر کی منزل کیا ہے؟

ان سوالوں کے جواب دینے سے انسان کا ذہن قاصر ہے دوسرے سوال سے تو سائنس بحث ہی نہیں کرتی، رہے پہلے سوال پر جو کچھ تفتیش اور جستجو اب تک اس نے کی ہے اس کا کوئی حاصل نہیں نکلا، اس لیے کہ اس سوال کا تعلق غیب سے ہے اور غیب کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہے۔ انسان کو اتنا ہی معلوم ہے جتنا خدا نے بتا دیا ہے۔ لہٰذا یہ معاملہ اصلاً ایمان کا ہے جس پر انحصار کر کے ہی کوئی علمی کاوش نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔ قرآن نے اس سلسلے میں صحیح علمی رویّے کی نشان دہی خود ہی کر دی ہے:

"اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں: ایک محکمات جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات۔ جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے

کی کوشش کیا کرتے ہیں، حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، بخلاف اس کے جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ کہتے ہیں کہ "ہمارا ان پر ایمان ہے، یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں" اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبق صرف دانش مند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں" (آل عمران ۷)

حیات و کائنات کی ابتدا کا تعلق متشابہات سے ہے۔ اپنی جگہ یہ موضوع بہت مبہم ہے اور اس میں مختلف کے متضاد نظریات کے امکان ہیں جن کے سبب انتشار فکر پیدا ہوتا ہے اور تعین کے ساتھ کچھ معلوم نہیں ہو سکتا کہ حقیقت کیا ہے۔ لہٰذا انسان اپنی عقل سے قیاس پر قیاس کرتا چلا جاتا ہے اور اس کے نظریات بدلتے رہتے ہیں۔ اس ذہنی پراگندگی کا اثر عملاً انسان کی زندگی پر پڑتا ہے اور اس کے شعور و کردار دونوں میں کجی پیدا ہو جاتی ہے، بسا اوقات وہ الحاد کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور ایک نامراد زندگی گزارتا ہے۔ یہ سب ذہنی عدم توازن کے سبب ہوتا ہے۔ قرآن کی رہنمائی بگڑے ہوئے توازن کو درست بھی کرتی ہے اور ذہن کو متوازن بھی رکھ سکتی ہے:

"آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسان کو پیدا کرنے کی بہ نسبت یقیناً زیادہ بڑا کام ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں" (المومن ۵۷)

اس آیت سے انسان کے ذہن کی حد معلوم ہوتی ہے۔ زمین و آسمان کی وسعت کے مقابلے میں آدمی کی قوتوں کا پیمانہ مختصر ہے۔ لہٰذا اگر وہ عقل سلیم سے کام لے تو اپنے محدود علم پر ناز کرنے کے بجائے ان باتوں کا علم جن کا سمجھنا اس کے لیے محال ہے خدا سے طلب کرے اور اس کی التجا اور دعا ہو:

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ ۔ ۱۱۴) "اے پروردگار مجھے مزید علم عطا کر"

یہ درحقیقت اس حکمت کی طلب ہو گی جسے قرآن مجید نے "خیر کثیر" قرار دیا ہے۔

"جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اُسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی" (البقرہ ۔ ۲۶۹)

علم و حکمت کی جستجو قرآن حکیم کا ایک اہم موضوع ہے اور اللہ کی کتاب نے بار بار انسان کو فطرت کے تمام داخلی و خارجی مظاہر پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ ان مظاہر کو خدا نے اپنی قدرت کی نشانیوں سے تعبیر کیا ہے اور ان کا نام آیات رکھا ہے۔ کائنات میں ہر طرف خدا کی آیات پھیلی ہوئی ہیں اور پیہم ان آیات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا دیدہ وری کا تقاضا ہے کہ ہدایت الٰہی کے تحت ان آیات پر تدبر کر کے ایسی تدبیروں سے کام لیا جائے جو حق و صداقت کو واضح کر دیں۔ آدمی کو جو قوتیں فطری طور پر دی گئی ہیں ان کا صحیح مصرف یہی ہے۔

"عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ فرمان واقعی برحق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے" (حٰم السجدہ ۵۳)

اس آیت کی صداقت جس طرح پچھلی چودہ صدیوں میں ثابت ہوئی ہے آئندہ بھی ہوتی چلی جائے گی اور مسلسل ہو رہی ہے۔ اس مقالے کی ابتداء میں کائنات کے وجود کے متعلق جو آیت پیش کی گئی ہے اس کی تصدیق سائنس کے تازہ ترین نظریے سے بھی ہوتی ہے، لیکن جس حقیقت کی طرف قرآن نے ڈیڑھ ہزار سال قبل اشارہ کر دیا تھا اس تک پہنچنے میں سائنس کو اتنے ہی سال لگے۔ لہٰذا اگر حیات و کائنات کے متعلق قرآن کے اشارات پر ایمان رکھ کر علم و حکمت کی جستجو کی جائے تو انسان کی راہِ طلب آسان ہو سکتی ہے۔ اور ہر قسم کی ترقیات کی منزلِ مقصود قریب آسکتی ہے۔

ایسی ترقیات، جن کا تعلق انسان کی فلاح اور انسانیت کی تعمیر سے ہے۔

(بقیہ صـ۱۸ سے)

تھی جیسا کہ اس تہذیب اور اس کی تاریخ کے ایک بڑے واقف کار (ڈاکٹر علامہ محمد اقبال) کا کہنا ہے۔

کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

تمدنی سہولتوں اور نئی مصنوعات کی ایجادات اور سائنس کی معلومات اور اسلامی تہذیب کے جلال و جمال سادگی و حقیقت پسندی، طہارت و نظافت پر توجہ اسراف و فضول خرچی اور خارجی مظاہر اور نمائش سے پرہیز کا باہمی اتفاق و اجتماع اس وقت بہت آسان ہے، جب اسلامی حکومتوں اور معاشروں کو مستقل غیر تقلید و غیر عاجلانہ اور احساس کمتری سے دور رہتے ہوئے تمدنی منصوبہ بندی کی توفیق ہو اور ان میں ذہانت کی چمک اور اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب کے اثر سے ایمان و انفرادیت موجود ہو، جس کی وہ مرہون منت ہیں اور اس کے ساتھ ان میں اپنے اسلامی تشخص و امتیاز پر فخر کا جذبہ بھی کارفرما ہو۔

علامہ محمد یوسف قرضاوی کا خصوصی انٹرویو

نام نہاد امن معاہدہ کے سلسلہ میں

"پی ایل او ..... اسرائیل سمجھوتہ"

"ہمیں ایسے ذلّت آمیز سمجھوتہ کی توقع نہ تھی"

عالم اسلام کی ممتاز شخصیت علامہ یوسف القرضاوی کی ذات دینی وعلمی علقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ عربی میں کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ قرآن، سنت اور فقہ کا پختہ علم رکھنے کے ساتھ عالم اسلام کو درپیش حالات ومسائل پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں اور بڑی جرأت کے ساتھ اظہار خیال کرتے ہیں۔ اسرائیل اور پی ایل او کے درمیان امریکی سرپرستی میں حال ہی میں جو معاہدہ ہوا ہے، اس پر بھی موصوف نے اپنے ایک انٹرویو میں اظہار خیال کیا ہے۔ یہ انٹرویو قطر کے مشہور عربی جریدے "الشرق" کی ۶ ستمبر ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ (ادارہ)

ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نام نہاد معاہدہ پر دستخط کی تقریب کو دیکھ کر میرے اوپر جو غم واندوہ اور حسرت طاری ہوئی اس کو میں بیان نہیں کر سکتا ہوں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میں زندہ رہوں گا اور یہ رسوا کن منظر اپنی ان دونوں آنکھوں سے دیکھوں گا۔ مسئلہ فلسطین سے ہماری دلچسپی اس وقت سے ہے جب ہم چھوٹے تھے اور ازہر شریف کے درجہ ابتدائیہ کے طالب علم تھے۔ مسئلہ فلسطین کے اس طویل مرحلہ میں ہم نے بڑے بڑے احتجاجی جلوس نکالے، آتشیں تقریریں کیں اور پر جوش قصیدے اور نغمات گائے اور یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ ہم اپنی نسلوں کو صیہونیوں کے خلاف صف آراء کر سکیں اور مسئلہ فلسطین ان کے شعور ووجدان پر چھا جائے اور امتداد زمانہ سے یہ مسئلہ ضائع نہ ہو جائے۔

انہوں نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری نظر میں مسئلہ فلسطین کی اولین حیثیت ایک دینی اور اسلامی مسئلہ کی ہے۔ جس طرح یہودی اس مسئلہ کو ایک یہودی حوالے سے دیکھتے ہیں اسی طرح یہ مسئلہ ہمارے لیے ہرگز اجنبی نہیں ہے اور نہ اس سے ہمارا تعلق دور کا ہے بلکہ یہ مسئلہ ہماری زندگی کے بڑے حصے، فکری نفسیاتی اور عملی ہر پہلو پر محیط رہتا ہے اور اسی سبب سے ہم اس مسئلہ کو صرف فلسطینی عوام کا مسئلہ نہیں سمجھتے ہیں بلکہ یہ پوری امت کا مسئلہ ہے اور آئندہ نسلوں کا بھی مسئلہ ہے۔ اسی لیے ہم کو اس معاہدے پر کافی افسوس

اور دکھ ہوا جس پر گزشتہ ۱۳ ستمبر کو دستخط ہوئے اور اسے معاہدۂ امن کا نام دیا گیا حالانکہ وہ فی الواقع مسئلہ فلسطین سے دستبرداری کا معاہدہ ہے۔

یہ کیسی کامیابی ہے

اسرائیل اور تنظیم آزادی فلسطین کے درمیان طے پانے والا معاہدہ مسئلہ فلسطین سے دستبرداری کیسے ہے جب کہ اس کو اس مسئلہ کے مکمل اور جامع حل کا ابتدائی مرحلہ کہا جا رہا ہے؟

میں یہ بات پوری تاکید سے کہہ رہا ہوں کہ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی اسلامی ملک کے کسی ادنیٰ جزو سے تنازل اختیار کرے ہاں مگر وقتی طور پر صلح کا معاہدہ کر سکتا ہے جیسا کہ قائد اسلامی صلاح الدین ایوبی نے کیا تھا جب انہوں نے صلیبی امراء کے ساتھ معاہدوں پر دستخط کئے تھے، لیکن انہوں نے سرزمین فلسطین کے کسی حصے سے تنازل نہیں اختیار کیا تھا اور نہ ایسی کوئی سرکاری دستاویز بنا کر انہیں دی تھی جس پر علی رؤوس الاشہاد دستخط ہوئے ہوں ..... انہوں نے مزید کہا کہ انسان جنگ کے دوران بسا اوقات ہار جاتا ہے تو وہ اس وقت اپنی مرضی کے خلاف دستخط کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جیسا کہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر بمباری کے بعد جاپان نے کیا اور اسی طرح جرمنی کے نازی ہٹلر کے شکست کھا جانے کے بعد اس کے دونوں حصوں (سابقہ مغربی و مشرقی جرمنی) نے بہت سی چیزوں اور امور پر اپنی ناپسندیدگی کے باوجود دستخط کئے۔ لیکن اس طرح کی صورت حال سے صرف شکست خوردہ لوگ ہی دوچار ہوتے ہیں اس لیے کہ انہیں مجبور کر دیا جاتا ہے اور ان سے ان کی مرضی کے خلاف کام کرایا جاتا ہے لیکن اس معاہدہ کو کسی بھی پیمانے سے ایک طرح کی فتح اور کامیابی سمجھنا ناممکن ہے۔

مجھے تعجب ہوتا ہے ان لوگوں پر جو اس بات پر مصر ہیں کہ واشنگٹن میں جو کچھ گزشتہ سال ۱۳ ستمبر کی صبح کو ہوا، وہ ایک بڑی کامیابی نظر آ رہی ہے!

آیت قرآنی کا بے محل استعمال

بعض لوگ یہود کے ساتھ اس طرح کے معاہدوں کو منصفانہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آیت (اور اگر وہ جھکیں صلح کے لیے تو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر) کے مفہوم کے تحت آتے ہیں اور یہی وہ آیت ہے جس سے امریکی صدر کلنٹن نے بھی تقریب کے موقع پر اپنے خطاب میں استدلال کا قصد کیا ہے۔ آپ کیا تبصرہ کرنا پسند کریں گے؟

درحقیقت اولاً یہ آیت مذکور کا بیجا استعمال ہے۔ اس لیے کہ اگر کوئی ڈاکو آپ کے گھر میں گھس آئے اور متعدد کمروں اور بالا خانوں پر زبردستی قبضہ جمانے اور آپ کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ یا وہ جگہ جو زینہ کے نیچے ہوتی ہے چھوڑ دے اور اس حالت میں آپ کے ساتھ باہم سلامتی کے ساتھ رہنے کی پیش کش کرے اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے، اس ظالمانہ پیش کش کو کون عقل مند آدمی امن و سلامتی کا میلان قرار دے گا۔ میں ذاتی طور پر اس ڈاکو

کو کبھی صلح پسند نہیں کہہ سکتا جس نے فلسطین پر غاصبانہ قبضہ کیا اور اس کی عزت و ناموس کو تار تار کیا اور اس کے حقیقی باشندوں کو ظالمانہ طور پر ان کے وطن عزیز سے نکال باہر کیا، بے شمار لوگوں کو پھانسی دے دی اور دیر یاسین سے صبرا و شاتیلا تک کے کیمپوں میں بے گناہوں کا قتل عام کیا۔ ان ساری زیادتیوں اور اپنی سیاہ تاریخ کے بعد وہ صلح کی طرف مائل ہوا ہے۔ خاص طور پر جب کہ وہ اب بھی ہم سے بر سر جنگ ہے اور ہمارا خاتمہ کر دینے پر تلا ہوا ہے اور ہماری قوم کی طرف سے ظلم کے خلاف چلائی جاتے والی تحریک مزاحمت کو کچل دینا چاہتا ہے۔ اس طرح یہ سب کچھ ہوتے ہوئے مذکورہ بالا آیت جو صلح کی دعوت دیتی ہے اس کا انطباق یہاں نہیں ہوتا۔ البتہ ایک دوسری آیت موجودہ صورت حال پر دلالت کرتی ہے۔ جو مسلمانوں کو بزدلی سے روکتی ہے اور صلح کی دعوت سے منع کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ "پس تم بودے نہ بنو اور صلح کی درخواست مت کرو۔ تم ہی غالب رہنے والے ہو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال کو وہ ہرگز ضائع نہ کرے گا"

یہ موجودہ معاہدہ بزدلی اور بودے پن کا بدترین مظاہرہ ہے۔ مسلمان عددی لحاظ سے بہت زیادہ ہیں مگر سیلاب کے تنکے کے مانند ہیں۔ اسی سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ضرور تمہارا خوف تمہارے دشمنوں کے سینوں سے نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں وہن ڈال دے گا۔ لوگوں نے عرض کیا" یا رسول اللہ وہن کیا ہے؟" آپ نے فرمایا۔" دنیا پر ریجھنا اور موت سے نفرت کرنا" انسان جب دنیا کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور موت اور راہ حق اور عزت و وطن کی حفاظت کی خاطر قربانیاں دینے سے گریز کرنے لگتا ہے تو اسی وقت اس کے اندر یہ نفسیاتی پودا جنم لیتا ہے اور وہ سب کے سامنے جھکنے لگتا ہے۔

معاہدہ کی تقریب میں فلسطینی غلطیاں

معاہدہ کی تقریب کے مشاہدہ کے دوران کس چیز نے آپ کو زیادہ متوجہ کیا؟

مجھے حیرت اس بات پر ہوئی کہ ان لوگوں نے اس تقریب کو شادی کی تقریب بنا دیا حالانکہ میرے نزدیک وہ ماتم کی تقریب تھی۔ ایک مسلمان آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے تھوڑا بہت بھی احساس کی نعمت سے نوازا ہوگا اور اس نے عرفات اور رابین دونوں کا موقف دیکھا ہوگا اور دونوں کی باتیں سنی ہوں گی تو اس نے تنازل اور پیشکش میں بڑا فرق محسوس کیا ہوگا چنانچہ اسرائیلی وزیر اعظم رابین جو "اسرائیل قصاب" کے نام سے معروف ہے، کے لب ولہجہ میں غرور و تمکنت پوری طرح نمایاں تھا اور عرفات ہنس رہا تھا، خواہ یہ ہنسی سچی ہو یا بناوٹی۔ لیکن ہم کس چیز پر ہنسیں جب کہ یہ موقع رونے کا ہے، اسی طرح رابین کے انداز گفتگو میں احساس برتری اور تفوق پوری طرح جھلک رہا تھا اور عرفات نے مدح سرائی اور تشکر آمیز لہجہ میں گفتگو کی۔

دوسری جانب اضحاک رابین نے اس تقریب کے براہ راست ٹیلی کاسٹ کئے جانے کا اور اس پروگرام

کے لاکھوں مشاہدین کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسرائیلی مظلومیت کی تاریخ پیش کرڈالی اور اس طرح اس نے یہودی قوم کے لیے عالمی ہمدردی حاصل کرلی۔ دریں اثناء ہمیں تعجب ہوا کہ عرفات اور ابو مازن کے خطاب اس طرح کی کسی بھی چیز سے یکسر خالی تھے، نہ ان میں فلسطینیوں کی مشقتوں اور جانفشانیوں کا ذکر تھا اور نہ ان قتل گاہوں کا تذکرہ تھا جہاں بے شمار لوگوں کو پھانسی دے دی گئی اور نہ ان بے گناہوں کا ذکر ہوا جن کا قتل عام ہوا اور نہ لاکھوں بے گھر لوگوں کا ذکر ہوا جن کا قتل عام ہوا اور نہ لاکھوں بے گھر لوگوں کا ذکر ہوا جنہیں بلا کسی جواز کے ان کی سرزمین سے باہر نکال دیا گیا۔ اس موقع پر سب سے زیادہ حیرت ناک بات یہ ہوئی کہ یاسر عرفات نے جب اپنے ذلت آمیز خطاب کے بعد اسرائیلی قائدین کی طرف مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو رابین نے تردد کے ساتھ اور حقارت آمیز طریقہ سے ہاتھ ملایا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس معاہدہ کے ذریعہ فلسطینیوں کو کس طرح ذلیل کیا گیا ہے۔

فلسطینیوں کے خطاب میں اور کس چیز پہ آپ کو توقف ہوا؟

میں یاسر عرفات اور محمود عباس کا خطاب سن کر اس وقت حیرت زدہ رہ گیا جب انہوں نے کہا کہ بنیادی مسائل جنہیں ابھی معلق رکھا گیا ہے، اُن کے حل کے لیے ہمیں انتہائی مشکل مراحل سے گزرنا ہوگا۔ مثلاً بیت المقدس، یہودی بستیوں اور پناہ گزینوں کا مسئلہ۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ آخر ان لوگوں نے کن مسائل کو حل کیا ہے، جب کہ راس المسائل بیت المقدس کے مسئلہ کو معرض التواء میں چھوڑ دیا گیا۔

بیت المقدس کے مسئلہ کو ایسے وقت میں ملتوی کردینا انتہائی بھیانک غلطی ہے جب کہ اسحاک رابین اپنے سفر واشنگٹن کی روانگی کی شام صحافیوں کے سامنے برملا اس کا اظہار کرتا ہے کہ بیت المقدس اسرائیل کا غیر منقسم ابدی دارالسلطنت ہے اور رہے گا اور اس پر فلسطینی پرچم ایک دن کے لیے بھی نہیں لہرائے گا۔ گویا اس نے یاسر عرفات اور ان کے رفقاء کو یہ پیغام دیا کہ اسرائیل کی بیت المقدس واپسی ناممکن ہے اور اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں ہوگی اور یہ ایک واضح چیلنج ہے جس پہ رابین نے اپنے خطاب میں بھی زور دیتے ہوئے کہا۔ "ہم یہودی قوم کے ابدی اور تاریخی دارالسلطنت سے آرہے ہیں"

یہ تو تھا قدس کا مسئلہ اب پناہ گزینوں کا مسئلہ آتا ہے جن کی تعداد چالیس لاکھ سے متجاوز ہے اس سلسلہ میں ان کے موقف کی وضاحت ہونی چاہیئے تھی۔ رابین نے تو بکھرے ہوئے یہودیوں کا ذکر کیا مگر ہم دنیا بھر میں بکھرے ہوئے فلسطینیوں کا ذکر نہ کرسکے جو ایک اسلامی عربی ملک میں پیدا ہوئے اور وہیں رہتے ہیں۔ ان دونوں فلسطینی ذمہ داروں نے یہودیوں کے فلسطینی علاقہ میں آبادکاری کے مسئلہ کو بھی بھلا دیا یا تجاہل سے کام لیا جب کہ مغربی کنارے میں آباد یہودی شرپسند اب بھی اپنی دہشت گردی سے باز نہیں آرہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے واضح انداز میں کہا کہ بحیثیت مسلمان ہمارا اس مذموم معاہدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور

نہ اس گھٹیا معاہدہ کی رو سے ہم وہ حکومت قائم کر سکیں گے جس کے لیے ایک عرصہ دراز سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے رہے ہیں۔ ان لوگوں نے اسرائیل کے زیر کنٹرول حکومت خود اختیار کو قبول کر لیا اور ہم ہمیشہ اس طرح کی محدود خود اختیاری کی مخالفت کرتے تھے، مگر آج انہوں نے اسے قبول کر لیا۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے یہ مثل ہے۔ (تمخض الجمل فولد فارا) اور یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ اونٹنی نے چوہا نہیں جھینگر جنا جس کا نام جریکو اور غزہ ہے، اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہودی اریحا کو منحوس علاقہ تصور کرتے ہیں اس لیے کہ ان کی بعض کتب میں اریحا کی تعمیر کرنے والے پر لعن طعن کی گئی ہے اسی لیے انہوں نے اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا اور چونکہ غزہ کثیف آبادی کا علاقہ ہے اور اس کے بے شمار مسائل ہیں اور حماس کا گڑھ ہونے کی وجہ سے وہاں سے ان کے لیے کوئی فائدہ تو کجا الٹا انہیں پتھروں کی بوچھاڑ کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اس لیے اس سے بھی چھٹکارا حاصل کر لیا۔

عرب دنیا کی افسوسناک صورت حال

ہم عرب اسلامی ملکوں کی موجودہ صورت حال کا کیسے تجزیہ کریں، اور کب تک ہم ان حالات سے نکل سکیں گے جو ہمیں ایک نامعلوم برے انجام کی طرف لے جا رہے ہیں؟

کوئی بھی صاحب نظر جو حالات و واقعات کا معروضی اور امانت دارانہ جائزہ لیتا ہوگا وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہم اس وقت انتہائی افسوسناک اور درد انگیز مرحلہ سے گزر رہے ہیں، بالخصوص جنگ خلیج کے بڑے سانحہ کے بعد۔ اس میں شک نہیں کہ وہ جنگ ہمارے لیے ہر اعتبار سے سانحہ تھی اور اس کے برے نتائج آج تک بھگت رہے ہیں۔ اس جنگ نے ہمارے جسد ملی کو تار تار کر کے رکھ دیا ہے اور عالم اسلام کو مغربی دنیا کے سامنے لوٹا ہوا مال بنا کے رکھ دیا ہے اور جو لوگ ہمارے برے دن کا انتظار کر رہے تھے ان کے ہاتھ میں اس وقت عالم اسلام نرم چارہ ہو کر رہ گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے ازلی دشمنوں نے کمزور نفوس پر دباؤ ڈالنے کے لیے اس موقع کو غنیمت جانا اور انہیں یقین تھا کہ اپنے مطالبات منوانے کا یہ انہیں زریں موقع ملا ہے۔ بھلا کیا ہم اس کی توقع کر سکتے تھے کہ جن لوگوں نے علم جہاد بلند کیا وہ اتنی آسانی اور رسوائی کے ساتھ ہتھیار ڈال دیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ مجاہدوں کو حوصلہ شکنی سے بچانے کے لیے فرماتے ہیں (اس گروہ کفار کے تعاقب میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ اگر تم تکلیف اٹھا رہے ہو تو تمہاری طرح وہ بھی تکلیف اٹھا رہے ہیں اور تم اللہ تعالیٰ سے اس چیز کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں ہیں۔ اگرچہ آزادی و حریت اور اپنے حقوق کی بازیابی کی جدوجہد میں سب کو یکساں طور پر مشقتیں جھیلنی ہوتی ہیں لیکن اللہ کی راہ میں اپنے آپ کو تھکانے اور مشقتیں جھیلنے والے اور طاغوت کے راستے میں مصیبتیں برداشت کرنے والے کے درمیان نتیجہ کے اعتبار سے بڑا فرق ہے۔ عرب اور اسلامی ممالک چاہے

جیسی بھی صورت حال سے دوچار تھے لیکن ہم اس حد تک تنازل کی توقع نہیں کرتے تھے کہ فلسطینی قائد کسی بلدیہ (میانسپلٹی) کے میئر یا کسی محدود علاقہ کے سربراہ کا عہدہ قبول کریں گے اور وہ کسی با اختیار مملکت کے صدر نہیں ہوں گے۔

مسئلہ فلسطین کی تاریخ کے آئندہ مرحلہ کے مزاج کے بارے میں آپ کیا تصور رہے ؟

مجھے قوی امید ہے کہ تحریک جہاد جاری رہے گی اور مسئلہ فلسطین زندہ رہے گا۔ ہمیں فلسطینی پولیس سے "جو اس وقت مصر و اردن میں تربیت و تیاری کے مرحلہ میں ہے" امید ہے کہ وہ انتفاضہ (تحریک مزاحمت) اور تحریک جہاد کو ختم کرنے کا ذریعہ ہرگز نہ بنے گی، جب تک کہ ارض فلسطین کا بقیہ حصہ آزاد نہیں ہو جاتا ہے اور ہونا یہ چاہیے کہ فلسطینی قیادت ...... تحریک جہاد اور حالیہ معاہدہ کے خلاف صدائے احتجاج کو مستقبل میں اسرائیل پر دباؤ ڈالنے کے لیے ایک نفع بخش کارڈ کے طور پر استعمال کرے جیسا کہ اسرائیلی حکومت اپنے مخالفین کے موقف کو بطور کارڈ کے استعمال کرتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ مسئلہ فلسطین کو اسلامی رنگ دینا انتہائی ناگزیر ہے۔ معاہدہ فلسطین پر دستخط کے وقت مجھے سخت افسوس ہوا کہ دونوں فلسطینی قائدین کا خطاب، اسلامی مفہوم سے یکسر خالی تھا در یں اثنا رابین کا خطاب یہودی روح سے معمور تھا اور وہ اپنے دین اور توراتی خوابوں کی بھرپور ترجمانی کر رہا تھا۔

اس علاقہ میں اسرائیل کے ساتھ جو تصفیے اور معاہدے ہو رہے ہیں اور خاص طور پر اسرائیل اور فلسطین کے بعد اردن کے ساتھ اسرائیل کی گفت و شنید اور رابین کا دورہ مراکش، مستقبل میں ان سب کے نتیجہ میں عرب ملکوں میں جو یہودیوں کا اثر و نفوذ ہوگا اس کی روشنی میں آپ کیا نصیحت کرتے ہیں؟

یہ خبر میں نے بھی سنی ہے کہ مراکش اور اسرائیل نے باہمی تعاون کے معاہدہ پہ دستخط کئے ہیں اور مستقبل میں سفارتی تعلق بھی قائم ہو جائے گا اور واضح رہے کہ مراکش اور اسرائیل کے درمیان خفیہ تعلق ایک طویل عرصہ سے قائم تھا اور خود رابین کے بقول جو انہوں نے حالیہ دورہ مراکش کے موقع پر بیان دیتے ہوئے کہا۔ "میں اس سے پہلے متعدد بار یہاں آکر شاہ حسن ثانی سے مل چکا ہوں، لیکن یہ میرا پہلا اعلانیہ دورہ مراکش ہے جو میں نے ایک صحافتی ٹیم کے ساتھ کیا ہے" اور اس دورہ کے موقع پر حسن ثانی نے ان کا پرجوش استقبال کیا ہے۔ اور مراکش ہی کے نقش قدم پر تیونس وغیرہ بھی چلنے کے لیے تیار ہیں۔

ہم اس موقع پر صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ تنظیمیں اور حکومتیں جو چاہیں کریں اور جس طرح چاہیں اللہ اور تاریخ کے سامنے اپنی ذمہ داری ادا کریں لیکن اپنی قوم کو بیدار کریں اور انہیں اسرائیلی اثر و نفوذ سے چوکنا اور ہوشیار رکھیں اس لئے کہ اس کے نتائج انتہائی ہوں گے اور اس کی سنگینی فکری، اجتماعی، اقتصادی اور اخلاقی ہر

صورت میں ظاہر ہو گی اور جن چیزوں کی وہ پوری دنیا میں ترویج کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اسے ہر جگہ اپنے ساتھ لے کر جاتے ہیں اور عنقریب جب عرب ملکوں کے دروازے ان کے لیے کھل جائیں گے تو یہودی مرد و عورتیں ایڈز کے جراثیم اور نوجوان نسلوں کے لیے بربادی کا سامان لے کر داخل ہوں گے اور مزید براں وہ سب اپنے کھوٹے ڈالر اور منشیات وغیرہ بھی لے کر آئیں گے اور واضح رہے کہ یہودی قوم ہر جگہ اور ہر زمانے میں یہودی ہی رہی ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ سادات کے کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کے بعد جس طرح مصری قوم نے اسرائیلیوں کے ساتھ میل ملاپ کو پسند نہیں کیا اور اپنے اور ان کے درمیان قائم نفسیاتی رکاوٹ کو ٹوٹنے نہیں دیا آئندہ مرحلہ کے دوران بھی یہی ہونا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں علماء اور داعیان اسلام کو نمایاں رول ادا کرنا چاہیئے اور ذرائع ابلاغ کے مختلف وسائل کو بھی اس سلسلہ میں بڑا اہم رول ادا کرنا ہے تاکہ ممکنہ یہودی اثر و نفوذ کے لیے دروازے نہ کھلیں اور ہمارے ملک و قوم آسانی سے یہودی عزائم کا شکار نہ بنیں۔

کیا آپ اس انٹرویو کے ذریعہ اس مسئلہ کے سلسلہ میں مسلمان داعیوں اور ذمہ داران سے کوئی اپیل کریں گے؟

بجا طور پر میرے لیے مناسب موقع ہے کہ میں اس انٹرویو کے ذریعہ مسلمانوں کے آزاد علماء کو ایک ایسی کانفرنس منعقد کرنے کی دعوت دوں جس کے ذریعہ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے بچانے کی ضرورت پر زور دیا جائے اور ملت کے سامنے اس کی دینی قومی اور تاریخی ذمہ داری کو رکھا جائے۔ یہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ انہوں نے موجودہ صورت حال کے متعلق جس طرح انفرادی طور پر اپنی ارادہ دی ہیں اسی طرح اجتماعی سطح پر بھی اس کا اظہار کریں عین ممکن ہے کہ اس طرح کی کانفرنس متوقع خطرہ سے بچنے کی کوششوں کو اور زیادہ موثر بنا سکے۔

میں فلسطینی بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ اپنے موقف اور رجحانات کے اختلاف کے باوجود فلسطینی خون کے سلسلہ میں اللہ سے ڈریں اور یہ کسی طرح جائز نہیں ہوگا کہ فلسطینی خون اپنے سگے بھائی کے ہاتھوں بہے اور میری اپیل ہے کہ حالات و واقعات سے بلند ہو کر سوچیں تاکہ کل اسرائیل کے خلاف ایک دوسرے کے ساتھ شانہ بشانہ ہو کر لڑنے والے آج اور مستقبل کے دشمن نہ بن جائیں۔

عالَم میں اِنتخاب

مصنوعی اَجزا سے تیار کی جانے والی
اَشیاءِ خور و نوش کے منفی اثرات سے آگاہی کے
بعد نسلِ اِنسانی ایک بار پھر فطرت کے آغوش
میں پناہ تلاش کر رہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قدرتی اجزا کا مُرکّب
رُوح افزا اپنی فطری تاثیر، منفرد ذائقے اور
اعلا معیار کی بنا پر اقوامِ عالم میں
روز افزوں مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔

Adarts-HRA-5/92

اپنی جہازراں کمپنی

پی این ایس سی

کے

جہاز

سے مال بھیجیے

بروقت - محفوظ - باکفایت

پی- این- ایس- سی برّاعظموں کو ملاتی ہے۔ عالمی منڈیوں کو آپ کے قریب لے آتی ہے۔ آپ کے مال کی بروقت، محفوظ اور باکفایت ترسیل برآمدکنندگان اور درآمدکنندگان، دونوں کے لئے نئے مواقع فراہم کرتی ہے۔

پی- این- ایس- سی قومی پرچم بردار- پیشہ ورانہ مہارت کا حامل جہازراں ادارہ، ساتوں سمندروں میں رواں دواں

قومی پرچم بردار جہازراں ادارے کے ذریعہ مال کی ترسیل کیجئے

C 2 88 PID - Islamabad

PARAGON/AG

جناب افضل حق قرشی، صاحب

فن کتابیات میں مسلمانوں کا حصہ

مسلمانوں کی علمی تاریخ میں "کتابیات" کا آغاز علم و دانش کے آغاز و ارتقاء کے ساتھ ساتھ نظر آتا ہے بہت سے دوسرے علوم و فنون کی طرح "فن کتابیات" کا سہرا بھی مسلمانوں کے سر ہے۔ جیوفرے روپر کے بقول

"معاملے کو تاریخی نقطۂ نظر سے دیکھیں تو یہ نظر آتا ہے کہ اپنی تہذیب کے زریں عہد میں اس وقت عربوں اور خود مسلمانوں نے شماریاتی کتابیات پر خاص توجہ دی جب اہل یورپ اس کے مفہوم سے بھی آشنا نہیں تھے۔" [1]

عباسی عہد میں علوم کی کثرت تنوع سے اہل علم کتابیات کی طرف متوجہ ہوتے تاکہ ذخائر علوم سے آگاہی ہو۔ علماء نے موضوعی اور خود نوشت کتابیات کا سلسلہ شروع کیا۔ وراقوں نے مختلف کتب خانوں کے ذخائر سے فائدہ اٹھا کر اپنے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں کتابیات تیار کیں۔ یہ سلسلہ اتنا پھیلا کہ کتابیات کو فہرست، برنامج، ثبت، مشیخہ، معجم کے مختلف ناموں سے یاد کیا جانے لگا۔

نویں، دسویں صدی عیسوی میں موضوعی کتابیات کی ترتیب و تدوین شروع ہو چکی تھی۔ چنانچہ جابر بن حیان (۷۲۳ - ۸۱۳) کے نامور شاگرد خرقی کی تصانیف کی دو فہرستیں تھیں۔ ایک فہرست کبیر جو کیمیاگری اور دوسرے فنون سے متعلق تھی اور دوسری فہرست صغیر جو صرف علم کیمیاگری کی کتابوں کے بارے میں تھی۔[2] حنین بن اسحاق (۸۱۰ - ۸۷۳) نے جالینوس کی کتابیات مرتب کی۔ اس میں جالینوس کی تصانیف کے مختلف تراجم کا ذکر تھا جو نویں صدی عیسوی تک موجود تھے۔[3] حنین نے ۱۹۲ کتابوں کی فہرست دی ہے جن میں سے سو کے تراجم خود اس نے کیے۔ ابوبکر محمد بن زکریا رازی (۸۶۴ - ۹۲۵) نے اس کتابیات پر

---

[1] GEOFFREY ROPER THE BIBLIOGRAPHY OF THE ARAB MIDDLE EAST-IN ARABIC RESOURCES, ED DAVID BURNETT (LONDON: MANSELL 1986) 16.

[2] ابن ندیم، الفہرست (مصر المکتبہ التجاریۃ الکبریٰ، ۱۳۴۸ھ) ص ۵۰۰ [3] ابن ندیم، الفہرست (مصر المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ ۱۳۴۸ھ) ص ۴۰۳

استدراک "کتاب فی استدراک کتب جالینوس مماثم یذکرہ حنین ولا جالینوس فی فہرست" کے نام سے لکھا۔[1] ابوزکریا یحیٰی بن عدی (۸۹۳ - ۹۷۴) ابن ندیم کا ہمعصر تھا۔ ابن ندیم کے بقول اسی عہد میں اقران و معاصرین کی علمی قیادت اس کے ہاتھ میں تھی۔[2] اس نے ایک کتابیات بھی مرتب کی تھی۔ ابن ندیم نے اس سے استفادہ کیا اور اکثر اس کے حوالے دیئے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ میں نے یہ چیز یحیٰی بن عدی کی فہرست کتب میں خود اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دیکھی ہے۔[3] نیز یحیٰی بن عدی نے اپنی فہرست کتب میں ارسطو کی ان تصنیفات کا بھی ذکر کیا ہے۔[4] ابوالحسن علی بن کوفی (م ۹۶۰) کی مرتبہ کتابیات کا ذکر بھی ابن ندیم کے ہاں ملتا ہے۔ مورخ ہشام کلبی کے تذکرہ میں ہے کہ میں یہاں اس کی تصنیفات اسی ترتیب سے بیان کروں گا جس طرح ابوالحسن بن کوفی کی تحریر میں ہیں۔[5] نیز مدائنی کے تذکرہ میں ہے کہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ابوالحسن بن کوفی کی تحریر میں اس کی مندرجہ ذیل تصنیفات درج ہیں۔[6] ابوریحان البیرونی (۹۷۳-۱۰۴۸) کی مرتب کردہ رازی کی کتابیات[7] ابن رضوان (۹۹۸ - ۱۰۶۱) کی مرتب کردہ جالینوس کی کتابیات[8] اور ابن قیم (۱۲۹۲ - ۱۳۵۰) کی مرتب کردہ ابن تیمیہ کی کتابیات[9] بھی موضوع کتابیات کی ذیل میں آتی ہیں۔

خودنوشت کتابیات کے ضمن میں جابر بن حیان (۷۲۷ - ۸۱۳) اور ابوبکر محمد بن زکریا رازی (۸۶۴ - ۹۲۵) کے حوالے ملتے ہیں۔ ابن ندیم نے ان سے استفادہ کیا۔ وہ لکھتا ہے کہ جابر اپنی کتاب فہرست میں خود لکھتا ہے کہ ان کتابوں کے بعد میں نے تیس رسالے تصنیف کیے جو یہ نام ہیں۔ پھر ان کے بعد میں نے چار

---

[1] ابن ندیم، الفہرست (مصر المکتبہ التجاریۃ الکبریٰ، ۱۳۴۸ھ) ص ۴۱۷

[2] ابن ندیم، الفہرست (مصر المکتبہ التجاریۃ الکبریٰ، ۱۳۴۸ھ) ص ۳۶۹

[3] ابن ندیم، الفہرست (مصر المکتبہ التجاریۃ الکبریٰ، ۱۳۴۸ھ) ص ۴۵۲

[4] ابن ندیم، الفہرست (مصر المکتبہ التجاریۃ الکبریٰ، ۱۳۴۸ھ) ص ۳۵۲

[5] ابن ندیم، الفہرست (مصر المکتبہ التجاریۃ الکبریٰ، ۱۳۴۸ھ) ص ۱۴۰

[6] ابن ندیم، الفہرست (مصر المکتبہ التجاریۃ الکبریٰ، ۱۳۴۸ھ) ص ۱۴۸

[7] ARAB-ISLAMIC BIBLIOGRAPHY, ED DIANA GRIMWOOD-JONES DERCK HOPWOOD AND J.D. PEARSON (SUSSEK: ENGLAND: HARVESTER PRESS 1977, 9

[8] محمد تقی دانش پژدہ، "دیباچہ" در فہرست کتابخانہ اہدای آقای سید محمد مشکوہ بہ کتابخانہ دانشگاہ تہران، جلد سوم بخش دوم، (تہران دانشگاہ تہران، ۱۳۳۲) [9] پژدہ "دیباچہ" در فہرست کتابخانہ آقای سید محمد مشکوہ، جلد سوم بخش سوم (۱۳۲۵)

مقالات تصنیف کیے۔[۱] نیز ابوبکر محمد بن زکریا رازی کی تصانیف جو خود اسی کی فہرست سے منقول ہیں[۲] جابر بن حیان نے اپنی نگارشات کی دو فہرستیں مرتب کی تھیں۔ ایک بڑی جو فلسفیانہ اور کیمیائی تصنیفات کی اور دوسری چھوٹی جس میں اس کی کیمیائی تصنیفات درج تھیں۔ جابر کی کتابوں کی ایک تیسری فہرست بھی تھی۔[۳] ابن عارف اندلسی (م ۱۰۰۰) نے اپنی کتابوں کی کتابیات مرتب کی تھی۔[۴] ابن جوزی (۱۱۲۶ - ۱۲۰۰) نے اپنی کتابوں کی فہرست مرتب کی۔[۵] سیوطی نے (۱۴۴۵ - ۱۵۰۵) نے اپنی تصنیفات کی فہرست مرتب کی۔[۶] ابن طولون دمشقی (۱۴۷۳ - ۱۵۴۶) نے اپنی نگارشات کی کتابیات مرتب کی۔[۷]

دسویں صدی عیسوی کے اواخر میں ابن ندیم (۹۳۵ - ۹۹۰) نے الفہرست مرتب کی۔ اس نے اس عہد میں آنکھ کھولی جب اسلامی تہذیب اپنے اوج کمال پر پہنچ چکی تھی اور کتابوں کی کثرت کی وجہ سے کتب خانوں کا رواج بھی ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے عہد کی کتابوں کا گہرا مطالعہ بھی کیا تھا اور اس عہد کے علماء اور فضلاء سے اسے شرف تلمذ بھی حاصل تھا۔ اس کے اساتذہ کی فہرست میں الحسن بن سوار بن الخمار۔ ابوالفرج اصفہانی ابوالحسن محمد بن یوسف الناقط، ابواسحاق السیرافی، اسماعیل الصفاء وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ وہ دوسرے اصحاب علم سے بھی ملتا تھا اور ان کے کتب خانوں سے استفادہ بھی کرتا تھا۔ الفہرست اس کے وسیع علم و مطالعہ کا نچوڑ، اساتذہ سے استفادہ اور کتابی معلومات کا حاصل ہے۔ یہ کتاب دس مقالوں پر مشتمل ہے اور ہر مقالہ کے تحت مختلف علوم و فنون کا ذکر ہے۔ مصنفین کا ذکر ترتیب زمانی سے کیا گیا ہے پھر ان کی کتابوں کے نام تحریر کیے ہیں۔ اہم کتب کے بنیادی افکار و آراء کی وضاحت کرتے ہوئے ان کے اصل مراجع و مصادر کی نشاندہی کی ہے۔ عموماً اہم علمی موضوعات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ ہر موضوع کی ابتداء میں ایک تمہید ہے، جس میں اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں اور ان کے مصنّفین کے اعداد و شمار بھی موجود ہیں۔ الفہرست میں صرف کتابوں کے اعداد و شمار ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس میں کتابوں اور مصنّفین کے متعلق نقد و بحث اور تحقیق بھی کی گئی ہے۔ الفہرست میں وہ تحریر کرتا ہے۔

---

[۱] ابن ندیم، الفہرست، ص ۲۵۷۔ [۲] ابن ندیم، الفہرست، ص ۲۹۹۔

[۳] پژوہ، "دیباچہ" درفہرست کتابخانہ آقائی، سید محمد مشکوہ جلد سوم بخش دوم۔

[۴] پژوہ، "دیباچہ" درفہرست کتابخانہ آقائی سید محمد مشکوہ، جلد سوم بخش دوم،

[۵] پژوہ، "دیباچہ" درفہرست کتابخانہ آقائی سید محمد مشکوہ، جلد سوم بخش دوم [۶] بروکلمان "السیوطی" در اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۱۔ [۷] پژوہ "دیباچہ" درفہرست کتابخانہ آقائی سید محمد مشکوہ، جلد سوم بخش سوم۔

یہ عرب وعجم کی ان تمام کتابوں کی فہرست ہے جو عربی زبان اور اس کے رسم الخط پر مشتمل ہیں ......
اس وقت سے معلومات فراہم کی گئیں جب سے وہ علوم عالم وجود میں آئے اور ہمارے زمانہ یعنی ۳۷۷ھ تک پائے جاتے ہیں۔ [۱]

ظاہر ہے کہ ان کا احاطہ کتابیات کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ خود ابن ندیم نے جابجا ان کا حوالہ بھی دیا ہے۔ لیکن الفہرست کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ "تمام" کا لفظ کثرت کتب کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے مراد مصنفین کی مشہور متداول کتابوں کا تذکرہ ہے۔ فقیہہ زعفرانی کے تذکرہ میں ہے۔

"یہاں ہم زعفرانی کی روایت کردہ کتابوں کے نام لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کیونکہ وہ بہت کم تعداد میں ہیں اور ان میں بیشتر دستبرد زمانہ کی نذر ہو چکی ہیں۔ اور بعد میں وہ قید تحریر میں نہیں لائی گئیں"۔ [۲]

منصوری کے تذکرہ میں ہے کہ وہ جلیل القدر اور عمدہ کتابوں کا مصنف ہے [۳]

الفہرست میں کتابوں کے ناموں کے اندراج میں کتاب کے معروف وغیر معروف دونوں نام نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مثلاً عیینہ بن منہال کی کتاب الامثال السائرۃ کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک جگہ میں نے اس کتاب کا نام "الابیات السائرۃ" لکھا ہوا دیکھا ہے۔ [۴] سعید بن حمید کی کتاب "انتصاف العجم من العرب" کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ تسویہ کے نام سے معروف ہے۔ [۵]

مشتبہ مقام پر ماں باپ کی نسبت کو بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ مثلاً محمد بن حبیب کے متعلق لکھا ہے کہ حبیب ماں کا نام ہے۔ [۶] اسماعیل بن علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ علیہ ماں کا نام ہے۔ [۷]

مصنفین کے اسلوب تحریر کی طرف بھی اشارے ملتے ہیں مثلاً ہنائی کے بارے میں تحریر ہے کہ اس کی تصانیف میں سے ایک کتاب مجرد الغریب ہے جو انداز و اسلوب میں تو کتاب العین سے ہم آہنگ ہے لیکن ترتیب میں اس سے مختلف ہے۔ [۸] مکتبی کے بارے میں تحریر ہے کہ وہ اچھا مولف ہے۔ [۹] مصنفین کے علمی مقام و مرتبہ پر بھی بات ہے۔ مثلاً اسمعی کے بارے میں لکھا ہے کہ ہمارے شیخ ابوسعید نے ابوالعباس

---

[۱] ابن ندیم، "الفہرست" ص ۲ — [۲] ابن ندیم، "الفہرست" ص ۲۹۷

[۳] ابن ندیم، "الفہرست" ص ۳ — [۴] ابن ندیم، "الفہرست"، ص ۲۷

[۵] ابن ندیم، "الفہرست" ص ۱۶۹ — [۶] ابن ندیم، "الفہرست" ص ۱۵۵

[۷] ابن ندیم، "الفہرست" ص ۳۱۷ — [۸] ابن ندیم، "الفہرست" ص ۱۲۴ — [۹] ابن ندیم، "الفہرست" ص ۱۲۵

مبرد کی روایت بیان کی ہے کہ اصمعی شعر اور معانی میں سب پر برتری اور تفوق رکھتا تھا۔[1] مصنفین میں باہم فرق اور زیادہ مہارت کی بات بھی کی ہے۔ مثلاً ابو مخنف کے ضمن میں لکھا ہے کہ میں نے احمد بن حارث خزاز کی ایسی تحریر پڑھی ہے کہ اہل علم کے نزدیک ابو مخنف معاملات عراق، اس کے واقعات اور فتوحات کے بارے میں سب سے فائق ہے۔ مدائنی امور خراسان، ہند اور فارس میں، واقدی امور حجاز اور سیرت میں دوسروں کی نسبت زیادہ آگاہ ہیں۔ البتہ فتوحات شام کے واقعات و اطلاع کے بیان میں سب برابر کے شریک ہیں۔[2] کوئی کتاب اگر کسی سے منسوب ہو تو اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثلاً فتح بن خاقان کی کتاب البستان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ فتح بن خاقان کی طرف منسوب ہے۔ مگر جو شخص اسے معرض تصنیف میں لایا اس کا نام محمد بن عبد ربہ اور لقب راس البغل ہے۔[3] بعض مقامات پر کتاب کے مندرجات کے بارے میں بھی تحریر کیا ہے۔ مثلاً ابن ابی طیفور کی کتاب "الواب الخلفاء" کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سے مقصود ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے خلفاء مانوس تھے، جن سے مشورہ لیتے تھے اور جن سے فکری و عقلی راہنمائی حاصل کرتے تھے اور امداد و استواری کے طالب ہوتے تھے۔[4] مشترک مصنفین کی نشاندہی بھی کی ہے۔ مثلاً بنو صباح کے تحت محمد، ابراہیم اور حسن تین علمائے نجوم اور ان کی تصانیف کا ذکر ہے۔ اس میں کتاب "برہان صنعۃ الاسطرلاب" کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ کتاب محمد نے تصنیف کی جو نا تمام تھی۔ اسے ابراہیم نے مکمل کیا۔ اسی طرح نصف النہار بقینۃ واحدۃ بالہندسہ" کے بارے میں ہے کہ اس کی تصنیف کا آغاز محمد نے تکمیل حسن نے کی۔[5]

مختلف دواوین کے اشعار کی تعداد بھی بیان کی ہے۔[6] جگہ جگہ کتابوں کے اوراق کی تعداد بتائی ہے[7] ایک مقام پر وضاحت کی ہے کہ جہاں کہیں بغیر کسی نسبت کے ورق کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد "ورق سلیمانی" ہے جو بیس سطروں کو محیط ہوتا ہے یعنی ہر ورق کے صفحہ میں بیس سطریں ہوتی ہیں۔ ہر جگہ اس بات سے ان اشعار کی کمی اور بیشی کا حساب لگایا جائے۔ یہ اندازہ اغلبیت اور تقریب پر ہی ہے کیونکہ ہمارے برسوں کے تجربہ نے ہمیں یہی بتایا ہے[8]

---

[1] ابن ندیم، "الفہرست" ص ۸۲   [2] ابن ندیم، "الفہرست" ص ۱۳۷

[3] ابن ندیم، "الفہرست" ص ۱۶۹-۱۷۰   [4] ابن ندیم، "الفہرست" ص ۱۵۹

[5] ابن ندیم، "الفہرست" ص ۳۸۵   [6] ابن ندیم، "الفہرست" ص ۲۲۳-۲۲۲

[7] ابن ندیم، "الفہرست" ص ۱۳۲، ۱۵۷، ۱۶۷   [8] ابن ندیم، "الفہرست" ص ۲۲۵

ابن ندیم نے کسی اہم کتاب کا نسخہ کہیں دیکھا تو اس کی تفصیل پیش کی مثلاً زجاج نے معتضد کی خواہش پر مجبرہ کی کتاب "جامع المشق" کی شرح لکھی۔ اس کا ایک ہی نسخہ تھا جو معتضد کے کتب خانے میں تھا۔ ابن ندیم نے تحریر کیا ہے کہ سلطنت کی تباہی و بربادی کے بعد یہ شرح سلطان کے بقیات میں سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی صورت میں دستیاب ہوئی۔ اس نے اسے دیکھا ہے۔ باریک و نرم للمی کاغذ پر لکھی ہوئی تھی اس کی وجہ سے زجاج نے بڑی عظمت حاصل کی۔[1]

ابن ندیم نے کتابوں کے متعلق معلومات فراہم کرتے ہیں ماخذ کی نشاندہی بھی کی ہے۔ چنانچہ جن کتابوں کو خود دیکھا، ان کے کاتبوں کے کی وضاحت کی ہے، جن علماء سے معلومات حاصل کیں ان کا حوالہ دیا ہے۔ اور دوسرے ذرائع مثلاً کتابیات وغیرہ کے حوالے بھی دیئے ہیں۔

ابن ندیم کی الفہرست کے بعد دوسری اہم تالیف محمد بن الحسن بن علی ابوجعفر الطوسی (۹۹۵-۱۰۶۷) کی فہرست "کتب الشیعہ" ہے۔ وہ شیعہ مذہب کا عظیم مجتہد تھا اور "شیخ الطائفہ یا صرف "الشیخ" کے لقب سے مشہور ہے۔

اس کی اساس ابن ندیم کی الفہرست پر ہے لیکن شیعہ مصنفین اور ان کی تصانیف کے بارے میں خاصے وقیع اضافے کیے ہیں۔ الفہرست اور فہرست کتب الشیعہ کے درمیان اور بھی بہت سی کتابیات مرتب کی گئیں۔ الطوسی اپنی فہرست کے دیباچے میں اس امر کا تذکرہ کرتا ہے۔ وہ تحریر کرتا ہے "مجھ سے پہلے میرے دوستوں نے فہرستیں مرتب کیں لیکن ایک مرتبہ ابوالحسن احمد بن الحسین الفضائری کے سوا سبھی ناقص تھیں۔[2] دوسری کتابیات میں ابن نجبک، احمد بن محمد، ابن بابویہ کی مرتب کردہ کتابیات شامل تھیں۔[3]

فہرست میں طوسی نے ۸۵ قدیم اور معاصر مصنفین کی تصانیف کی فہرست دی ہے۔ اندراجات مصنفین کے ناموں کے تحت حروف تہجی کے اعتبار سے پہلے حرف تہجی کے تحت ترتیب دیئے گئے ہیں۔[4]

طوسی کی فہرست کے بعد دوسری اہم کتابیاتی تالیف شیخ احمد بن علی النجاشی (م ۱۰۶۳) کی اسماء الرجال ہے۔ اس کا زمانہ تالیف بھی تقریباً وہی ہے جو الطوسی کی فہرست کا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ یہ ایک مکمل کام ہے لیکن طوسی کی فہرست کے ساتھ تقابل کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اس کا نیا ایڈیشن ہے

---

[1] ابن ندیم "الفہرست"، ص ۹۰ [2] الطوسی، "فہرست الطوسی (کلکتہ ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۸۵۵) ص ۲۔

[3] A SPRENGER PREFACE IN FIHRIS AL TUSI (CALCUTTA-ASIATIC SOCIETY 1855) I

[4] ایضاً ص ۲

یہ زیادہ مکمل اور صحیح ہے۔ اس میں ۱۲۲۶ مصنفین کا تذکرہ ہے۔

رشید الدین ابی جعفر محمد بن علی بن شہر اشوب الروی (۱۰۹۶-۱۱۹۲) کی مؤکتاب معالم العلماء فی فہرست کتب الشیعہ واسماء المصنفین" الطوسی کی فہرست کا نیا ایڈیشن ہے۔ [1] اسے مولف نے ۱۱۷۷-۱۱۸۵ کے دوران مرتب کیا۔ اس نے ابتداء سے اپنے عہد تک کے علماء اور ان کی تصانیف کی فہرست دی ہے۔ اس میں الطوسی اور النجاشی کی فہرستوں پر زیادہ اضافہ نہیں۔ ماسوا ان مصنفین کی کتابوں کے جو الطوسی اور النجاشی سے چھوٹ گئے یا ان کے عہد کے بعد ہوئے۔ [2]

منتجب الدین علی بن ابی القاسم القمی (۱۱۰۱-۱۱۸۹) کی "اسماء مشائخ الشیعہ ومصنفیہم" الطوسی کی فہرست کا ضمیمہ ہے۔ یہ ۱۱۷۷-۱۱۹۶ کے دوران مرتب کی گئی۔ اس میں ۵۰۰ مصنفین کا تذکرہ ہے۔ جو یا تو الطوسی کے معاصر تھے یا متاخر اور جن کا ذکر فہرست کتب الشیعہ میں نہیں۔ [3]

ابوبکر محمد بن خیر بن عمر بن خلیفہ الاموی الاشبیلی (۱۱۰۸-۱۱۷۹) ماہر لسانیات اور محدث تھا۔ اس کی شہرت کا سبب وہ کتابیات ہے جو "فہرست ما رواہ عن شیوخہ من الدواوین المصنفہ فی ضروب العلم وانواع المعارف" کے نام سے معروف ہے۔ یہ ہمارے کتابیاتی ورثے میں اہم کتب میں سے ہے۔ تقریباً ان ۱۴۰۰ کتب پر مشتمل ہے جو اس نے اندلس کے مختلف مقامات پر اپنے اساتذہ سے پڑھیں یا جن کی انہوں نے اسے اجازت دی۔ تعارف کے بعد مصنف نے ان کتب کی فہرست دی ہے جو اس نے قرآنی علوم کے سلسلے میں پڑھیں۔ پھر حدیث، سیر وانساب، فقہ مالکی، صرف ونحو، لغت، ادب اور شاعری کی کتب کا بیان ہے اور آخر میں ان کتابیات کا تذکرہ ہے جو اس سے پہلے مرتب کی گئیں۔ وہ ہر مضمون میں اپنے اساتذہ کا ذکر کرتا ہے اور مختلف مقامات کے حوالے سے ان کی جماعت بندی کرتا ہے۔ [4]

مولف روایت کا اسلوب اپنائے ہوئے ہے [5] یہ کتابیات ابن خیر کے عہد کے مسلم سپین میں پائی جانے والی اور پڑھائی جانے والی کتابوں کے سلسلے میں ایک اہم ترین دستاویز ہے۔ [6]

---

[1] عباس اقبال "دیباچہ" در کتاب معالم العلماء، مولفہ ابن شہر اشوب (تہران ۱۹۳۲) ص ۵

[2] ایضاً ص ۱۱　　[3] ایضاً ص ۴

[4] ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM NEW ED, SV IBN KHAYR BY C.H. PELLAT

[5] محمد ماہر حمادہ "المصادر العربیہ والمعربیہ" (بیروت موسسۃ الرسالہ، ۱۹۸۰) ص ۳۷

[6] PELLAT IBN KHAYR OP.CIT

طاش کبری زادہ (۱۴۹۵-۱۵۶۱) ابن حجر اور دیگر علمائے کبار کا معاصر تھا۔ اس کی تصنیف ''مفتاح السعادۃ'' و ''مصباح السیادہ علوم اسلامیۃ'' کی تاریخ و تصنیف کے سلسلے میں دائرہ المعارف کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ کتاب قیمتی کتابیاتی معلومات کو سموئے ہوئے ہے۔ اس میں اہم مولفین اور تالیفات کا ذکر ہے۔ مصنف نے کتاب کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے حصۂ اول نظری طریقے کو حاصل کرنے کی کیفیت کی طرف رہنمائی پر مشتمل ہے۔ اس حصے کے مباحث پانچ فصلوں میں تقسیم ہیں۔ فصل اوّل میں خطی علوم کا ذکر ہے فصل دوم میں ان علوم کا ذکر ہے جو الفاظ سے متعلق ہیں اور اس ضمن میں تدوین شدہ کتابوں کا نام اسی فصل میں شاعروں، مصنفوں، عروضیوں، نثر نگاروں، لغت نویسوں، نحویوں اور قاریوں کے حالات دیئے ہیں۔ علم تاریخ کا اسی فصل میں ذکر ہے۔ مورخین کے حالات اور ان کتابوں کا ذکر ہے۔ فصل سوم میں علم منطق علم آداب الدرس، علم الجدل کا اور ان کے مصنفین کا ذکر ہے۔ فصل چہارم میں علوم حکمیہ، علم الکلام، طب وزراعت وغیرہ کا ذکر ہے اور ان دوائر میں مصنفین اور کتب کا ذکر ہے۔ فصل پنجم میں علم الاخلاق، خانداری علوم شرعیہ مثلاً قرات، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور ان کے علماء کے حالات اور تصانیف کا تذکرہ ہے۔ دوسرے حصے میں فصل ششم تزکیہ سے متعلق علوم کے بارے میں ہے۔ [۱]

حاجی خلیفہ (۱۶۰۸-۱۶۵۷) کی کشف الظنون عن اسماء الکتب والفنون، مفتاح السعادہ کا تکملہ اور ضمیمہ ہے۔ [۲] اس نے اس کتاب کا مواد جمع کرنے کے لیے تقریباً بیس برس صرف کیے۔ یہ پندرہ ہزار سے زائد اندراجات پر مشتمل ہے۔ حاجی خلیفہ نے اندراج کے لیے مصنف کی بجائے عنوان کتاب کا استعمال کیا ہے۔ اندراجات کی ترتیب عربی حروف تہجی کے مطابق ہے۔ ہر کتاب سے متعلق وہ اس کے مصنف، سال تصنیف کتاب کے حصوں اور ابواب کی تقسیم کا اصول اس کی مختلف شروح، فرہنگوں اور تردیدات و تنقیدات کی تفصیلات اور کتاب کا موضوع بیان کرتا ہے۔ اس نے ان تمام کتابوں کا جو اس نے دیکھیں پہلا جملہ لکھ دیا ہے۔ تاکہ کتابوں کے پہچاننے میں آسانی ہو۔ اس نے کشف الظنون میں ۹۵۰۰ سے زائد مصنفین اور ۳۰۰ سے زائد علوم و فنون کا احاطہ کیا ہے۔ [۳] بعد کے لوگوں نے اس کے متعدد ضمیمے مرتب کیے۔ ان میں سے آخری اسماعیل پاشا بغدادی (م ۱۹۲۰) کی ''ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون'' ہے۔ اس نے تیس برس اس پر کام کیا اور انیس ہزار (۱۹۰۰۰) اندراجات مرتب کیے [۴]

---

[۱] حمادہ: المصادر ص ۴۱-۴۳ [۲] ایضاً ص ۴۴ [۳] ایضاً

[۴] پژوہ ''دیباچہ''، در فہرست کتابخانہ آقائی، سید محمد مشکوہ، جلد سوم بخش اوّل

(باقیہ ص ۵۳ پر)

جناب شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب و روز

امام حرم شیخ صالح بن حمید شیخ عبداللہ الزائد سابق رئیس جامعہ مدینہ منورہ اور دیگر عرب زعماء کی دارالعلوم تشریف آوری

۱۵/اپریل ۱۹۹۶ء جمعہ کا دن جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے لیے دینی مسرت روحانی وجد وکیف، علمی اعتراف عظمت اور مرکز تجلیات کعبۃ اللہ سے نسبتوں کے استحکام کے ولولوں اور پورے علاقے کے لیے پُرجوش مسرتوں کا دن تھا کہ اس دن مرکز کائنات قبلۂ عالم کعبۃ اللہ مسجد الحرام المکی سے امام وخطیب شیخ صالح بن عبداللہ بن حمید شیخ عبداللہ الزائد سابق رئیس جامع اسلامیہ مدینہ منورہ شیخ عبداللہ الفیصل نائب سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی شیخ عبداللہ المصلح رئیس جامعۃ الامام ابہا، نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا پاکستان میں سعودی عرب کے سفیر شیخ محمد یوسف المطبقانی اور مجلس الدعوۃ کے شیخ عبداللہ الفالح بھی ان کے ہمراہ تھے۔ یہ حضرات یوں تو جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مقام، علمی عظمت، تاریخ وکردار سے پہلے سے واقف تھے جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ سے ذاتی مراسم کی وجہ سے انہیں مزید حقائق کا علم ہوا شیخ عبداللہ الزائد تو اس سے قبل بھی جامعہ تشریف لا چکے تھے مگر اب کے بار ان حضرات کی تشریف آوری اچانک تھی یہ حضرات افغانستان میں جنگ بندی کے سلسلہ میں پشاور کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے تھے دارالعلوم اور مولانا سمیع الحق صاحب سے تعلق ومحبت کی بنا پر انہوں نے جامعہ دیکھا اور یہاں پر نماز جمعہ پڑھنے کا پروگرام بنایا حرم مکی کے امام اور خطیب اول شیخ عبداللہ بن السبیل اسی دن دوسری جگہ طے شدہ پروگرام اور نماز جمعہ کے فوراً بعد سعودی عرب روانگی کے پروگرام کی وجہ سے مولانا سمیع الحق سے بار بار معذرت کرتے رہے اور آئندہ آمد کے موقع پر دارالعلوم کے تفصیلی دورہ کا وعدہ کرتے رہے جب اچانک ان کی تشریف آوری کا علم ہوا تو حضرت مہتمم صاحب نے ایک خصوصی اجتماع میں اساتذہ اور طلبہ دارالعلوم کو حرمین شریفین سے اضیاف مکرم کی آمد کی خوشخبری سنائی اور یہ بھی تاکید فرمائی کہ ائمہ حرمین کے اضیاف مکرمین کی تشریف آوری کے موقع پر ہر ممکن اکرام کا احترام نظم وضبط اور دیدہ ودل فرش راہ کیے جانے کا اہتمام کیا جائے۔

چونکہ اسی روز اخبارمیں بھی ان کی جامعہ تشریف آوری کی خبریں لگ چکی تھی اس لیے جامعہ کے طلبہ واساتذہ

سمیت اکوڑہ خٹک اور گرد و نواح کے علاقہ بھر کے مسلمانوں کا ایک تا حدِ نظر اجتماع معزز مہمانوں کے لیے چشم براہ تھا طے شدہ پروگرام کے مطابق امام حرم شیخ صالح بن حمید اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ ۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق تقریباً ۱۲ بجے دار العلوم تشریف لائے تو طلبہ کے علاوہ ہزاروں مسلمانوں نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی قیادت میں ان کا پُرجوش استقبال کیا اسی دوران طلبہ دار العلوم، اساتذہ، علماء، اور عامۃ المسلمین دو رویہ قطاروں میں کھڑے ترحیبی نعروں کے ساتھ امام حرم کا گرم جوشی سے خیر مقدم کرتے رہے دار العلوم تشریف لاتے ہی انہوں نے جامعہ کے مہتمم کی معیت میں تمام شعبہ جات کا تفصیلی معائنہ کیا دار العلوم پہنچتے ہی سیدھے لائبریری تشریف لے گئے لائبریری کے ہمہ فنون و علوم پر مشتمل کتب خانہ اور ہمہ جہت موضوعات پر مشتمل کتب کا معائنہ کیا اور ان کے استعمال و استفادہ کے معاملہ میں دلچسپی لی۔ مدیر الحق کے دفتر، ماہنامہ الحق کے انتظامی دفتر کے بعد ادارۃ العلم و التحقیق اور مؤتمر المصنفین کے دفاتر میں ہر دو اداروں کے مطبوعات دیکھے ماہنامہ الحق کے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نمبر، مؤتمر المصنفین کی حقائق السنن اور ادارۃ العلم والتحقیق کی توضیح السنن میں خوب دلچسپی لی اور اسے علم حدیث کی عظیم خدمت قرار دیا اور خواہش ظاہر کی کہ ان کتابوں اور تصانیف کا عربی ترجمہ ہونا بالخصوص شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی حقائق السنن کے بارے میں بے حد خواہش اور دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد شعبہ تعلیم القرآن ہائی سکول دفتر اہتمام درس گاہوں اور مختلف ہاسٹلوں کا معائنہ کرتے ہوئے جب دورۂ حدیث کے تو تعمیر شدہ جدید ہاسٹل اور سیمنار ایڈوٹوریل پہنچے تو ان سے حضرت مہتمم صاحب نے ہال کے ایک نو تعمیر مغربی مینار کا سنگ بنیاد بھی تبرکاً رکھوایا تاکہ حرم مکی سے نسبت اور یاد قائم رہے۔ مہمان دار العلوم کے مختلف شعبہ جات اور تعمیری ترقیات اور تعلیمی کارکردگی سے بے حد متاثر دکھائی دے رہے تھے یہاں سے فراغت کے بعد دار الحفظ والتجوید تشریف لے گئے جہاں زیر تعلیم بچوں میں سے بعض کا قرآن سنا دار الحفظ سے باہر سامنے دار العلوم کے قبرستان میں حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ العزیز کے مزار پر سب نے فاتحہ پڑھی اور حضرتؒ کے عظیم خدمات اور شخصیت کو دیر تک سراہتے اور خراج تحسین پیش کرتے رہے پھر احاطہ ماوراء النہر گئے۔ اور نو آزاد وسطی ایشیا کی ریاستوں تاجکستان وغیرہ کے طلبہ کے ہاسٹل میں ان کی ملاقات کی ان کے سر پر دست شفقت رکھا اور دار العلوم میں ان کے تعلیمی نظام کو مستقبل کے لیے خوش آئند قرار دیا بعض طلبہ کی تلاوت سنی اور ماسکو سے آئے ہوئے ایک طالب العلم کے تجوید و قرأت سے تو آبدیدہ ہوئے۔

دار العلوم کے تفصیلی معائنہ کے بعد حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کے گھر تشریف لائے جہاں انہوں نے انہیں ضیافت دی گھنٹہ ڈیڑھ مولانا کے دولت کدہ پر رہے ادھر نماز جمعہ کا وقت ہو چکا تھا جامع مسجد دار العلوم میں مہمانوں کے لیے استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا جامع مسجد دار العلوم، آس پاس کے چمن، سڑک کے کنارے سے قرب و جوار کی گلیاں الغرض قرب و جوار کے تمام متعلقہ جگہوں کو اپنی تنگ دامنی کی شکایت رہی امام حرم اور علماء و مشائخ نماز جمعہ کے وقت

حضرت مہتمم صاحب کی معیت میں جب سٹیج پر قدم رکھا تو ایک بار پھر دارالعلوم کے در و دیوار اللہ اکبر اور استقبالیہ نعروں سے گونج اٹھے، وقت مختصر تھا لوگ دو ڈھائی گھنٹوں سے سراپا انتظار تھے تقریب کا آغاز دارالعلوم کے جید قاری صاحب کی تلاوتِ کلام پاک سے ہوا حضرت مولانا سید محمد یوسف شاہ مدرس دارالعلوم نے عربی میں ترحیبی نظم پڑھی جس سے خوب سماں بندھا دارالعلوم کے مہتمم نے دارالعلوم کے اساتذہ طلبہ عامۃ المسلمین اور اپنی طرف سے عربی میں فی البدیہ خطاب کیا اور اضیافِ مکرم کو خوش آمدید کہا اور ان کا تعارف کرایا جس میں امام حرم اور مملکت عربیہ سعودیہ کی اسلام، علامِ اسلام بالخصوص جہاد افغانستان کے لیے لازوال مساعی جمیلہ پر تشکر یہ ادا کیا مولانا مفتی غلام الرحمٰن نے جامع دارالعلوم حقانیہ کی تاسیس سے لے کر اب تک اس کی ہمہ گیر سرگرمیوں خدمات شعبوں کے تعارف، تلامذہ اور فضلاء کے فروغ دین کے لیے مساعی پر روشنی ڈالی۔ پھر امام حرم الشیخ صالح نے خطبہ جمعہ دیا اور اپنے خطبہ میں انہوں نے مسلمانوں کو قرآن پر عمل کرنے، خدا سے ڈرنے، تقویٰ اختیار کرنے، باہمی اتحاد و یگانگت اور وحدت و ایثار کی تلقین کی خطبہ جمعہ کے بعد موصوف نے نماز جمعہ پڑھائی قرارت کے دوران حرمین شریفین کے زائرین کو ایک بار پھر حرمین شریفین کے فضاؤں میں درد و سوز سے بھری ہوئی قرارت قرآں کی آواز نے انہی جذبات سے معمور کر دیا جو ایک مخلص زائر حرم کو نصیب ہوتے ہیں۔

دارالعلوم کے تاریخی مقام، طلبہ کی کثرت بلند اخلاقی تربیت اور لوگوں کے اشتیاق کے پیش نظر امام حرم نے فرض نماز سے فراغت کے بعد از خود کھڑے ہو کر مزید مختصر خطاب کیا اس خطاب میں انہوں نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی عظمتوں، تاریخی کردار دینی مساعی، جہادی مہمات، اس کے بانی مرحوم کے اخلاص، مولانا سمیع الحق کے مساعی اور اس مرکز علم سے وابستگی اور خلوص و شفقت کا اظہار فرمایا

الحمد للہ کہ وسائل کی کمی ہر طرح کی بے ربطی اور سادگی کے باوجود معزز مہمانوں نے بہت خوشگوار تاثرات لیے سرزمین نجد و حجاز کے مہمانوں کا دورہ جامعہ حقانیہ اور حرمین کے مراکز کے مابین گہرے علمی اور ثقافتی روابط کا ذریعہ بنے گا اور اس طرح حرمین شریفین اور مراکز اسلام سے جامعہ حقانیہ کو قوی سے قوی نسبتوں کا شرف حاصل ہوا۔

شاہ بلیغ الدین

سیدنا ابوطلحہ انصاری رض

مسلمان اور مشرکینِ عرب ایک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے۔ جیت صاف مسلمانوں کی تھی۔ اتنے میں میدانِ جنگ کا نقشہ بدلا مسلمانوں کی فوج کا وہ حصہ جو حضرت عبداللہ بن جبیر رض کے تحت تھا اپنی جگہ سے ہٹا۔ مجاہد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہاڑی راستے پر حفاظت کے لیے کھڑا کیا تھا۔ ان لوگوں نے سوچا اب جنگ ختم ہو چکی ہے تو اپنی جگہ چھوڑ کر میدانِ جنگ کے بیچ میں چلے جائیں جہاں مالِ غنیمت جمع کیا جا رہا تھا اور مالِ غنیمت جمع کرنے میں ہاتھ بٹائیں۔

کافروں کے ایک دستے نے دیکھا کہ حفاظتی دستہ اپنی جگہ پر نہیں ہے۔ تو گھوم کر وہاں پہنچے اور اس حصہ کو گھیرے میں لے لیا جہاں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے اپنی فوجوں کو لڑا رہے تھے۔ یہ جنگ کا وہ نازک لمحہ تھا جب بازی ادھر یا اُدھر ہو سکتی تھی۔ کافروں کا حملہ شدید سے شدید تر ہوتا گیا۔ مسلمان اس وقت میدانِ جنگ میں پھیلے ہوئے تھے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بہت کم لوگ رہ گئے تھے لیکن یہی جاں نثار اپنی جگہ ڈٹ گئے اپنے نبی کے آگے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر سپر ہو گئے۔ کانٹے کی لڑائی ہو رہی تھی۔ کافر بڑھے چلے آ رہے تھے اور مسلمان انہیں روک رہے تھے۔ کبھی کبھی رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سر اُٹھا کر یہ منظر دیکھ لیتے تھے۔ اس وقت ایک آواز سنائی دیتی ——— میری جان آپ کی جان پر قربان اور میرا چہرہ آپ کے چہرۂ مبارک پر نثار! اور پھر اللہ کا وہ سپاہی جس کی آواز تھی اپنے پیمبر کے لیے ڈھال بن جاتا اس دن ایک دو نہیں تین کمانیں اس کے ہاتھوں میں ٹوٹیں۔ تیر تھے کہ دشمن کے لیے موت کا پیام لے کر ان کی چٹکی سے نکلتے۔ اس روز حملہ آوروں کا منہ پھیر دینے میں اس مجاہد کا بڑا ہاتھ تھا ——— یہ مجاہد حضرت ابوطلحہ انصاری رض تھے۔ دوسری بیعتِ عقبہ کے نقیب۔ بنو خزرج کے رئیس۔ خاندان نجار کی آبرو۔ حضرت ام سلیم رض کے شوہر اور حضرت انس رض بن مالک کے سرپرست! مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ ہوا تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رض آپ کے بھائی بنائے گئے۔ وہ ان لوگوں میں سے ایک تھے جنہیں جنت کی بشارت دی گئی تھی! حضرت ابوطلحہ رض کے مقام کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔

اُحد کی لڑائی کے بعد اُن کا بایاں ہاتھ زندگی بھر کے لیے بیکار ہو گیا تھا۔ یہی ہاتھ جس پر وہ اُن تیروں

کی بارش روک رہے تھے جو رسالتِ پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہو رہی تھی۔ یہ ہاتھ مسلمانوں کے لیے بڑا مقدس ہاتھ جس نے میدانِ اُحد میں تاریخ کا دھارا موڑ دیا۔ ابو طلحہ رضؓ کی عمر اس وقت چوبیس پچیس سال کی تھی۔ اوسط قد تھا۔ سانولی رنگت۔ مدینے میں ان کا بڑا مرتبہ تھا رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گھر جاتے۔ کھانے کا وقت ہوتا اور کوئی چیز کھانے کے لیے پیش کی جاتی تو خوشی سے کھاتے۔ کبھی دوپہر میں ان کے گھر کو رونق بخشتے تو تھوڑی دیر کے لیے قیلولہ بھی کر لیا کرتے تھے۔ حضرت ام سلیم رضؓ رشتہ میں آنحضرتؐ کی خالہ ہوتی تھیں رشتہ دور کا سہی لیکن حضورِ اکرمؐ ان کا بڑا لحاظ فرماتے تھے۔ انہی کی وجہ سے حضرت انس رضؓ کو بارگاہِ نبویؐ کا خادم بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔

رسالتِ پناہؐ کی ذات سے حضرت ابو طلحہ رضؓ کو بے پناہ عقیدت تھی۔ خود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ تمام لڑائیوں میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ سفر میں اُن کا اونٹ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری سے سب سے زیادہ قریب ہوا کرتا تھا۔ گھر میں جب بھی کوئی چیز آتی ہے تو حضرت ابو طلحہ رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضرور تحفہ بھیجتے۔ کبھی کبھی تو بہت معمولی چیزیں بھیجی جاتیں۔ خرگوش کی ایک ران، تھوڑے سے خرمے غرض جو کچھ بھی ہوتا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی خوشی سے ان کی نذر قبول فرما لیتے۔ قدر افزائی کا یہ حال تھا کہ اللہ کے رسول حج کے لیے تشریف لے گئے اور منیٰ میں بال ترشوائے تو داہنی طرف کے بال تو کئی لوگوں میں تقسیم فرمائے لیکن بائیں طرف کے تمام موئے مبارک حضرت ابو طلحہ رضؓ کو عنایت ہوئے۔ اس امتیاز پر کوئی ان کی خوشی دیکھتا! معلوم ہوتا تھا دو عالم کی دولت ان کے حصے میں آ گئی تھی۔

جب عبداللہ بن ابی طلحہ رضؓ پیدا ہوئے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور چبا کر نومولود کو چٹائی اور نام رکھا۔ ہجرت کے بعد پیدا ہونے والے بچوں میں سب سے پہلے یہ شرف حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کو حاصل ہوا۔ جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے تھے۔

انہی عبداللہ رضؓ سے حضرت ابو طلحہ رضؓ کی اولاد پھیلی اور بھی لڑکے ہوئے لیکن وہ بچپن ہی میں مر گئے۔ دو لڑکے حضرت اسحٰق تھے جن کے لڑکے یحییٰ مشہور محدّث گزرے ہیں۔

مسجدِ نبوی کے بالکل سامنے ایک جگہ تھی بیرحا۔ یہاں حضرت ابو طلحہ رضؓ کی کچھ زمین تھی۔ بڑی زرخیز اور شاداب زمین تھی! اس میں ایک کنواں تھا۔ مدینے کا مشہور کنواں۔ نہایت میٹھا پانی تھا۔ اس میں سے ایک خاص مہک آتی تھی۔ رسالتِ پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کنویں کا پانی پیا کرتے تھے اور بہت شوق سے پیتے تھے۔ جب حکم آیا کہ: ——— لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔

یعنی جب تک اس میں سے خرچ نہ کرو جو تم کو بہت زیادہ عزیز ہے تو نیکی کو نہیں پا سکتے ــــــ
تو سب صحابۂ کرام نے اور بالخصوص انصار کے بڑے آدمیوں نے جو جس کے پاس تھا راہِ خدا میں وقف کر دیا۔
حضرت ابو طلحہ رضہ نے بھی وہ زمین اور کنواں وقف کرنا چاہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو بہت خوش
ہوئے فرمایا ــــــ اسے عزیزوں میں تقسیم کر دو!

ایک وہ دور تھا کہ ابو طلحہ رضہ کی شراب کی محفلیں مدینے سے باہر بھی مشہور تھیں یا اسلام لانے کے
بعد ایک ایسا دور بھی آیا کہ جو کچھ تھا راہِ خدا میں لٹا چکے تھے۔ فقر و فاقے میں زندگی بسر ہونے لگی۔ ایک مرتبہ
حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک مسافر آیا۔ اس کے ٹھہرنے کا کہیں انتظام نہیں ہو
رہا تھا۔ ارشادِ نبوی ہوا کہ ــــــ اسے جو مہمان رکھے گا خدا اس پر رحم کرے گا۔ حضرت ابو طلحہ رضہ سب سے
پہلے اُٹھے۔ مہمان کو ساتھ لیا۔ گھر پہنچے۔ بیوی سے پوچھا ــــــ آج کھانے پینے کا کیا انتظام ہے؟ بتایا
گیا ــــــ کچھ نہیں۔ بس اتنا ہے کہ بچوں کے لیے کچھ پکا لیا گیا ہے۔ فرمایا ــــــ بس یہ کافی ہے۔ کسی طرح
بچوں کو سلا دو۔ بچے سو گئے تو چراغ بجھا دیا۔ اور جو کھانا تھا مہمان کے آگے رکھ دیا۔ میاں بیوی بھی ساتھ
بیٹھ گئے اور جھوٹ موٹ منہ چلاتے رہے۔ سارا گھر فاقے سے تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھوکے تھے لیکن
کچھ پروا نہ تھی۔ صبح بارگاہِ نبوی میں پہنچے تو ارشاد ہوا کہ ــــــ رات تمہارے ایثار سے اللہ تعالیٰ خوش ہوا!

حضرت ابو طلحہ رضہ انصاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کوئی چالیس سال تک زندہ رہے
ایسے چالیس سال کہ تصور کر کے حیرت ہوتی ہے۔ کوئی تیس سال کی عمر سے لے کر ستر برس کی عمر تک
یعنی جب انتقال ہوا اس وقت تک مسلسل روزے رکھتے۔ سوائے ان دنوں کے جب روزہ رکھنے کی
اجازت نہیں ہے۔ زندگی کے دیگر معمولات کا اس کے کیا ذکر ہو۔ عمل ایسا اور علم کا یہ حال کہ ابن حجر عسقلانی
لکھتے ہیں ــــــ وہ اُن صحابۂ کرام میں سے تھے جن کے علم و فضل کا دور دور چرچا تھا۔ ہجرت کے بعد
برابر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے۔ سفر و حضر میں ساتھ رہا۔ بانوے ۹۲ حدیثیں اُن سے
نقل کی گئی ہیں۔ اس بارے میں وہ بڑی احتیاط فرماتے تھے۔ خدا نے اُن کے بیٹوں پوتوں کو بھی یہ فضیلت
دی تھی کہ اپنے وقت میں علم حدیث کے امام مانے جاتے تھے۔

حضرت ابو طلحہ رضہ کی بیان کی ہوئی اکثر حدیثیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں لڑی جانے
والی جنگوں کے بارے میں ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ ان تمام لڑائیوں میں وہ شریک رہے۔ بدر، احد،
خیبر اور حنین میں ان کی جنگی صلاحیتیں غیر معمولی طور پر نمایاں ہوئیں۔

ہجرت کا ابتدائی دور اہلِ مدینہ کے لیے بڑا صبر آزما تھا۔ مشرکین مکہ نے مدینے کے منافقوں اور

یہودیوں سے مل کر مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کیا تھا۔ آئے دن یہ خبریں پھیلتی رہتی تھیں کہ مکہ والے شبخون ماریں گے۔ رات کے حملوں کا خیال کر کے مظلوم مسلمان پریشان رہا کرتے تھے ایک مرتبہ رات گزری تھی کہ شور و غل اٹھا کہ ــــــ مدینے پر حملہ ہونے والا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حجرے سے باہر تشریف لے آئے۔ صورتِ حال معلوم ہوئی تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جو لوگ جمع ہو گئے تھے ان میں حضرت ابوطلحہ رضؓ بھی تھے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہتھیار لگائے ہوئے آئے تھے اور حملہ آوروں سے نمٹنے کے لیے ہر طرح تیار تھے۔ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضؓ کا گھوڑا لیا سوار ہوئے اور تن تنہا مدینے سے باہر چلے گئے۔ اپنے فدائیوں کی حفاظت کا کس قدر غیر معمولی خیال تھا کہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کو خطرے میں ڈال دیا۔ حضرت ابوطلحہ رضؓ سے رہا نہ گیا، پیچھے پیچھے چلے۔ تھوڑی دور گئے تھے کہ دیکھا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت ابوطلحہ رضؓ کو اللہ کے رسول نے اپنی طرف آتے دیکھا تو فرمایا کہ ــــــ خوف کی کوئی بات نہیں! اطلاع عام ہو گئی! سب لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ حضرت ابوطلحہ رضؓ بڑے خوش تھے کہ اُن کا گھوڑا بڑا مبارک ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول نے اس پر سواری فرمائی اس موقعہ پر ان سے ارشاد ہوا کہ ــــــ ابوطلحہ! تمہارا گھوڑا بڑا تیز رفتار ہے! ایک جاں نثار کے لیے یہ بڑا اعزاز تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد بہت عاشقانِ رسول ایسے تھے۔ جن کا دل مدینہ میں بالکل نہیں لگتا تھا۔ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات یاد آتی اور دل کو تڑپاتی رہتی تھی۔ بہت سوں نے شام ہجرت کی۔ انہی میں حضرت بلال رضؓ اور حضرت ابوطلحہ رضؓ بھی تھے۔ ان غم زدوں کے دل جب دوری سے گھبراتے تو رات دن کا سفر کر کے روضۂ مبارک پر حاضر ہوتے اور رو رو کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتے۔

حضرت ابوطلحہ رضؓ ان لوگوں میں سے تھے جو آگے رہنے اور نمایاں ہونے کا کبھی خیال نہیں کرتے تھے۔ جو کچھ کرنا ہوتا چپ چاپ کر دیتے۔ جب بیرحا کی قیمتی زمین اور کنواں وقف کیا تو قسم کھا کر کہا یہ بات اگر چھپ سکتی تو میں کبھی ظاہر نہ کرتا۔ حکم ہے کہ ــــــ راہِ خدا میں اس طرح خرچ کرو کہ دائیں ہاتھ سے خرچ ہو تو بائیں ہاتھ کو خبر تک نہ ہونے پائے۔ حضرت ابوطلحہ رضؓ اس حکم پر عمل کرنا چاہتے تھے۔ ویسے صدقہ و خیرات اگر ظاہری طور پر بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ مقصد دوسروں کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دینا ہو۔

حضرت ابوطلحہ رضؓ نے بڑی خاموشی سے زندگی بسر کی۔ سارا وقت عبادتِ الٰہی میں گزارا۔ کسی دنیاوی

اعزاز کی کبھی خواہش نہ کی۔ چاہتے تو ہر خدمت انہیں مل سکتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں شام ہی میں رہے۔ حضرت عمرؓ کے انتقال سے کچھ دنوں پہلے مدینہ آئے پھر واپس شام چلے گئے۔

ستّر برس کی عمر میں وفات پائی۔ وہ بھی اس حال میں کہ گھربار اور بچوں سے دور تھے۔ ایک تو بڑھاپا اس پر چالیس سال مسلسل روزہ رکھنے کی وجہ سے کمزوری بڑھ گئی تھی مگر ایمان ایسا مضبوط تھا کہ ایک دن گھر پر بیٹھے کلامِ پاک کی تلاوت کر رہے تھے کہ سورۂ توبہ کی ایک آیت نے جہاد کا ولولہ تازہ کر دیا۔ بولے —— خدا نے بوڑھے جوان سب پر جہاد فرض کیا ہے۔ میرے لیے سامانِ سفر تیار کرو۔ کسی نے کہا —— خدا آپ پر رحم کرے۔ عہدِ نبوی کی تمام لڑائیوں میں آپ شریک ہو چکے ہیں۔ شیخین کے زمانے میں آپ نے برابر جہاد میں حصہ لیا۔ اب اس حال میں آپ گھر میں بیٹھے رہئے ہم لوگ جہاد پر جاتے ہیں۔ لیکن شوقِ جہاد اور شوقِ شہادت کہاں رکنے دیتا تھا۔ ایک سمندری لڑائی میں شریک ہونے نکلے۔ جہاز ہی پر انتقال فرمایا۔ ساتویں روز جہاز خشکی پر پہنچا تو انہیں سپردِ خاک کیا گیا۔ مجاہد لوگ رہے تھے تو ان کا یہ جملہ سب کے کانوں میں گونج رہا تھا کہ —— اللہ تعالیٰ نے بوڑھے جوان سب پر جہاد فرض کیا ہے

بقیہ ص ۲۷ سے

ان کے علاوہ سید اعجاز حسین کنتوری (۱۸۲۵ء - ۱۸۷۰ء) کی "کشف الحجب والاستار عن اسماء الکتب والاسفار"، محمد محسن المعروف آقا بزرگ الطہرانی و علی نقی منزوی کی الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، سید عبدالحی لکھنوی (۱۸۶۹ء - ۱۹۲۳ء) کی الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، عربی زبان میں مختلف علوم کے بارے میں فواد سیزگین کی جرمن کتابیات، یوسف الیان سرکیس کی معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ، مصر سے السجل الثقافی، ترکی سے محمد طاہر کی عثمانلی مولفری اور تورک ببلیوگرافیاسی، ایران سے خان بابا مشار کی فہرست کتابہائی چاپی ایران، پاکستان سے انجمن ترقی اردو پاکستان کی "قاموس الکتب" قابلِ ذکر ہیں۔

---

4 / 88 PID - Islamabad

قارئین بنام مدیر

افکار و تاثرات
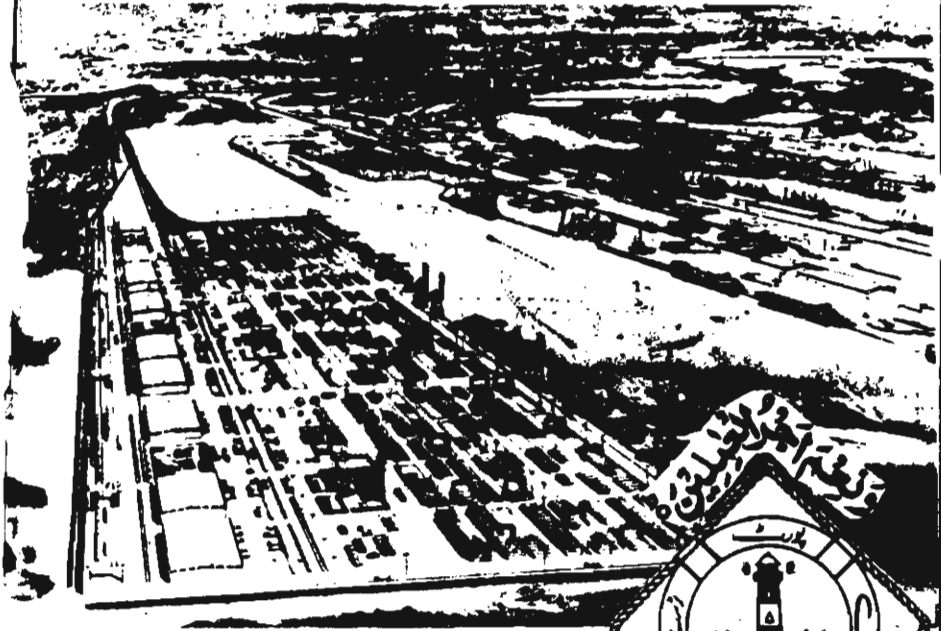
- صدر اور وزیراعظم کی شاہ خرچیوں کا محاسبہ / حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر
- سیاسی قیادت کا عجیب کردار / سردار علی چارسدہ
- تہذیب نو کرشمہ / حافظ صفی اللہ معاویہ

پاکستان کے صدر فاروق لغاری جمعہ کے روز اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ضلع نواب شاہ میں سکرنڈ کے پٹی جنگلات میں تیتروں کے شکار پر قومی خزانہ سے پچاس لاکھ روپے سے زائد اخراجات ہوئے۔ صدر مملکت شکار کے لیے خصوصی طیارے کے ذریعہ نواب شاہ پہنچے اور وہاں سے تین خصوصی ہیلی کاپٹروں کے ذریعے شکار کے لیے گئے سندھ کے وزیر اعلیٰ۔ وفاقی اور صوبائی وزراء اور رکن قومی اسمبلی آصف زرداری کے ایک قریبی دوست ستار کرلو بھی ان کے ہمراہ تھے۔ یہاں دو خصوصی فون اور ہاٹ لائن فراہم کی گئی۔ صدر کے شکار کے لیے علاقہ کے لوگوں نے دو ہزار تیتر پہلے سے پکڑ کر جمع کئے تھے۔ اس علاقے کو ۲۴ گھنٹے پہلے سے پولیس نے بند کر دیا تھا۔ پولیس کے ہزاروں جوان اس موقع پر ڈیوٹی کے لیے جمع تھے۔ پورا علاقہ گھیرا ہوا تھا۔ دیگر محکموں سے ایک ہزار سے زائد ملازمین جنگل میں تعینات تھے۔ جو پکڑے ہوئے تیتروں کو ہوا میں اڑا رہے تھے۔ ان سب کے لیے پولیس اسٹیشنوں سے کھانے کی دیگیں پکا کر پہنچائی گئی۔ (روزنامہ جنگ لندن ۳۰/ جنوری ۹۴ء)

روزنامہ جنگ لندن میں شائع ہونے والی یہ خبر پڑھ کر ہم نے گمان کیا کہ شاید یہ خبر درست نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پاکستان جیسے ملک کے صدر صاحب محض شکار کے شوق میں قومی خزانہ کے پچاس ہزار روپے ضائع کر دیں اور ہزاروں سرکاری ملازمین محض صدر صاحب کے اس شوق کو پورا کرنے کے لیے وہاں پہنچا دیئے جائیں ہم نے بہت انتظار کیا کہ شاید اگلے کسی شمارہ میں اس خبر کی تردید ہو جائے۔ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ بلکہ ایک اور خبر شائع ہوئی جس نے مذکورہ بالا خبر کی تائید کر دی۔ (روزنامہ آواز لندن کی درج ذیل یہ خبر پڑھیئے۔)

وفاقی دارالحکومت میں صدر مملکت فاروق لغاری کے لیے وسیع و عریض رقبے پر فائرنگ رینج بنا دیا گیا ہے تفصیلات کے مطابق شاہراہ دستور پر واقع سپریم کورٹ اور پارلیمنٹ ہاؤس کی عمارتوں کے پیچھے واقع جنگل میں ساڑھے تین کلو میٹر کے علاقے میں فائرنگ رینج بنایا گیا ہے۔ صدر مملکت نے فائرنگ رینج پر نشانہ بازی کی اس موقع پر ایوان صدر کے کئی اعلیٰ حکام بھی موجود تھے باخبر ذرائع نے بتایا کہ یہ فائرنگ رینج کئی لاکھ روپے کی لاگت سے تیار کیا گیا ہے جہاں صرف صدر مملکت نشانہ بازی کیا کریں گے دریں اثنا بیرون ملک سے جو اعلیٰ

شخصیات شکار یا نشانہ بازی کا شغف رکھتی ہوں گی انہیں بھی یہاں نشانہ بازی کے لیے لایا جائے گا اس فائرنگ رینج کے علاقے کی سیکورٹی کے لیے سخت ترین حفاظتی انتظامات کئے گئے ہیں اور سپیشل برانچ اور پولیس نے اس علاقے کی کڑی نگرانی کا کام اپنے ذمے لے لیا۔ (روزنامہ آواز لندن ۱۹ ر فروری ۹۴ء)

محترم صدر مملکت کے شکار کا شوق اپنی جگہ بجا۔ لیکن کیا اس کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان کے قومی خزانہ کا منہ کھول دیا جائے اور اس شوق کو پورا کرنے کے لیے محض ایک یا دو دن میں پچاس لاکھ سے زائد روپے خرچ کر دیئے جائیں؟ اگر محترم صدر اپنی ذاتی ملکیت سے اس شوق کو پورا کرنا چاہیں تو شاید ان کا دل گوارا نہ کرے لیکن جب پاکستان کے قومی خزانہ کی بات آجائے تو اس کی ذرہ بھر پرواہ نہ کی جائے یہ کیا انصاف ہے؟۔ پاکستان کا قومی خزانہ صدر محترم یا وزراء کرام کی ذاتی ملکیت نہیں۔ یہ پاکستان کے عوام کا مال ہے جسے صرف ان کے بہبود کے لیے خرچ ہونا چاہیے۔ پچاس لاکھ روپے اور کئی لاکھ زائد روپے سے نہ جانے کتنے غریبوں اور یتیموں کا اجڑا گھر بسایا جا سکتا تھا۔ اور ان کی ویران زندگی آباد کی جا سکتی تھی۔ افسوس کہ وہ شوق شکار کی نذر ہو گئی۔

صدر مملکت کے اس شوق شکار کے بعد محترمہ وزیر اعظم کا شوق بھی ملاحظہ فرمائیں۔

پاکستان کی وزیر اعظم محترمہ بے نظیر صاحبہ کے دورۂ لاڑکانہ کے موقع پر سندھ کی پوری کابینہ۔ سکریٹری پولیس اور دیگر اعلیٰ حکام اور اداروں کے سربراہ بھی لاڑکانہ منتقل ہو گئے روزنامہ جسارت کراچی کی ایک خبر کے مطابق سندھ بھر کی پولیس کی ایک بڑی تعداد یہاں موجود تھی اور دو ہزار سے زائد زیر تربیت پولیس کے جوانوں کو بھی لاڑکانہ روانہ کیا گیا درجنوں فائر بریگیڈ کی گاڑیاں۔ ایمبولنس اور بم کو ناکارہ کرنے والا ایک گروہ بھی یہاں بھیجا گیا اور ہیلی کاپٹر سے بھی فضا کی نگرانی کا انتظام کیا گیا۔ (روزنامہ جسارت کراچی ۴ ر اور ۵ جنوری ۹۴ء)

آپ یہ نہ سوچیں کہ وزیر اعظم صاحبہ کسی میدان جنگ میں جا رہی تھیں یا یہ سب کچھ کسی سرکاری تقریب کی خاطر تھا یا اس سے مملکت خداداد پاکستان کا کوئی مفاد وابستہ تھا۔ نہیں۔ یہ سب کچھ صرف اس لیے کیا گیا تھا کہ گڑھی خدا بخش لاڑکانہ میں جناب بھٹو مرحوم کی سالگرہ تھی جس میں ان کی دختر بے نظیر صاحبہ نے شرکت کرنی تھی۔ اور بس۔

اس سالگرہ کی تقریب پر ہونے والے مصارف کا تخمینہ کیا ہوگا؟۔ ہفت روزہ زندگی لاہور میں ہے کہ وزیر اعظم کے دس روزہ دورہ پر کتنا سرمایہ خرچ ہوا ہوگا اس کا اندازہ لگانا تو مشکل ہے مگر صرف ۵ ر جنوری کو جو کچھ ہوا وہ لاکھوں نہیں کروڑوں روپئے کے اخراجات کا حامل ہے (زندگی ۱۵ ر جنوری ۹۴ء ص۱۳)

یہ کروڑوں روپے بھی محترمہ وزیر اعظم صاحبہ نے اپنی جیب سے ادا نہیں کئے بلکہ پاکستان کے قومی خزانے نے ہی اس شاندار سالگرہ کا انتظام کرایا۔ وزیر اعظم صاحبہ کے شوق سالگرہ اپنی جگہ بجا ہو یا نہ ہو۔ لیکن اگر وہ اس سالگرہ کو شاندار طریقے سے منانے کا شوق رکھتی تھیں تو انہیں اپنی جیب سے اس کا اہتمام کرنا چاہیئے تھا۔ نہ کہ یہ

سب تکلفات قومی خزانہ سے ادا ہوتے رہیں۔ اور غریب عوام یہ بوجھ اٹھاتے رہیں۔ پھر وزیراعظم صاحبہ کا یہ اعلان بھی پڑھیں کہ

"قومی دولت لوٹنے اور ملکی معیشت کو غیر مستحکم کرنے والوں کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کی جائے گی .... یہ حکومت غریب عوام کے مفادات کے منافی سوچنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔

(جنگ لندن ۲۱/ فروری ۹۴ء)

اگر وزیراعظم صاحبہ اپنے بیان میں واقعی سنجیدہ ہیں تو پھر انہیں اپنے گریبان میں بھی جھانک کر دیکھنا ہوگا اور صدر محترم کے شوق شکار پر بھی ایک نظر رکھنی ہوگی۔ محض یہ کہہ کر جان چھڑائی نہیں جاسکتی کہ قومی دولت لوٹنے والوں کا تو احتساب ہوگا۔ مگر قومی دولت ضائع کرنے والے دائرہ احتساب میں نہیں آسکتے۔ (حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر)

سیاسی قیادت کا عجیب کردار

مدیر محترم! کیا یہ درج ذیل واقعہ سچ ہے اگر سچ ہے تو پاکستانی قوم کا ردعمل کیا ہوگا۔

لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) ڈاکٹر محمد ایوب خان کی زیر ادارت لاہور سے شائع ہونے والے ماہنامہ محقق نے نومبر ۹۳ء کے شمارہ میں ملک کے معروف روحانی پیشوا مولانا محمد اکرم اعوان آف منارہ چکوال کے ایک حالیہ خطاب کا مندرجہ ذیل اقتباس شائع کیا ہے، جس میں موصوف نے اپنے دورہ امریکہ کے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ

"میں چلا گیا بالٹی مور، مجھے جانا تھا اپنے پروگرام میں۔ وہیں وہ ہسپتال ہے جس میں ہمارے ملک کے نامور وزیراعظم کا وصال ہوا، محمد خان جونیجو صاحب کا۔ تو نیچرلی آدمی کے دل میں بات تو ہوتی ہے، آخر پورے ملک کے وزیراعظم تھے۔ تو میں نے پوچھا بھئی یہاں فوت ہوئے تھے، کس طرح فوت ہوئے کیا حال ہوا؟ وہاں ایک ڈاکٹر صاحب تھے، ان سے گذارش کی تو وہ کہنے لگے یہاں تو کوئی محمد خان جونیجو نہیں مرا بھائی، نہ آیا یہاں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔ کمال کرتے ہو یار! ساری دنیا نے وہاں ٹیلی ویژن پر سنا، اخبارات میں دھوم مچی، آپ کے اس جان ہاکز ہسپتال کی، میری لینڈ بالٹی مور میں ہے۔ تو انہوں نے کہا اچھا بھائی کل دیکھیں گے۔ تو دوسرے دن انہوں نے مجھے کمپیوٹر کی رپورٹ بھجوادی۔ کمپیوٹر کی رپورٹ میں اوپر ایک جملہ ہے: ایک شخص محمد خان جونیجو جس کی تاریخ ولادت فلاں ہے اور وہ جان بکسی کے نام سے امریکہ کا شہری ہے بکس بی جان۔ یعنی آپ کا وزیراعظم امریکہ کا شہری ہے بکس بی جان کے نام سے، اس لیے کہ یہاں سے جو کچھ لوٹا جاتا ہے وہ بکس بی جان کے اکاؤنٹ میں وہاں جمع ہوتا ہے اور جب علاج کے لیے وہاں تشریف لے گئے تو بکس بی جان داخل ہوا اسی جان ہاکز ہسپتال میں اور وہاں بکس بی جان مرا اور اس کے سرہانے باقاعدہ صلیب گاڑی گئی

اور نرسوں نے باقاعدہ اپنے شانے پر صلیب بنا کر بکس بی جان کو رخصت کیا۔ یہاں ان غریبوں سے غائبانہ جنازے پڑھائے جاتے ہیں، جن کا خون بیچ کر جن کا خون چوس کر یہ لوگ کما لیتے ہیں۔ ارے بابا! یہ اسلامی حکومتیں ہیں اور یہ مسلمان ہیں؟ اب مجھے یہ فرصت نہیں ملی کہ نواز شریف کا امریکہ میں نام کیا ہے اور اسحٰق خان کس نام سے وہاں جیتا ہے۔" (بحوالہ ہفت روزہ ندائے خلافت ۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء)

(سردار علی چارسدہ)

تہذیب نو کا کرشمہ

مدیر محترم روزنامہ جنگ لاہور ۱۷ جنوری ۱۹۹۴ء کا تراشہ بلا تبصرہ ارسال خدمت ہے۔

امریکی شہریوں کی نصف آبادی اپنی زندگی میں کسی نہ کسی موقع پر دماغی خلل کے عارضہ کا شکار ہو جاتی ہے، جب کہ ان کی ایک تہائی آبادی سال میں ایک بار دماغی خلفشار سے دوچار ہوتی ہے۔ مشی گن یونیورسٹی کے محققین کی ایک ٹیم نے آرکائیو آف جنرل سائیکاٹری کے "تازہ شمارہ میں اپنی رپورٹ شائع کرتے ہوئے اس بات کا انکشاف کیا۔ ریسرچ ٹیم کے سربراہ پروفیسر رونالڈ کیسلر کے مطابق گزشتہ دہائی کی ریسرچ کے مقابلے میں موجودہ ریسرچ کے نتائج انتہائی تشویشناک ہیں۔ دماغی خلفشار میں مبتلا لوگوں کی اکثریت ڈاکٹروں کی طرف رجوع کرنے کی بجائے اپنے طور پر گھروں میں ہی علاج کرتے ہیں، جس سے ان کی بیماری دور ہونے کی بجائے زیادہ خطرناک حد تک پہنچ جاتی ہے اور پھر ان میں سے ایک تہائی مریضوں کو پاگل خانے بھجوانے کی نوبت آجاتی ہے۔ تحقیق کرنے والی ٹیم نے ۱۵ سے ۵۴ سال کی عمر کے ۸ ہزار شہریوں سے ذاتی ملاقات کی اور دو سال کے عرصے کے بعد جو رپورٹ تیار کی، اسے اب امریکی محکمہ صحت کی ایک خصوصی کمیٹی کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ وہ امریکہ کی نصف آبادی کو پاگل پن کی بیماری سے نجات دلانے کے لیے ہنگامی بنیادوں پر کوئی ٹھوس اقدامات کرے۔ (حافظ صفی اللہ معاویہ)

(بقیہ صنا سے)

قول فعل اور تقریر سے اس کی وضاحت ہوئی۔ دستر خوان پر کسی کو کوئی شیٔ کھاتے ہوئے دیکھا یا بازار میں خود اس کو استعمال نہیں کیا لیکن منع بھی نہیں کیا تو جائز ہے مثلاً کسی کو کوکا کولا پیتے ہوئے دیکھا، منع نہیں کیا تو یہ آپ کے سکوت کی وجہ سے جائز ہوگا۔ باب ما جاء علی ما یا کل النبی۔ یوں نہیں فرمایا کہ کونسی چیز کھائی جائے کونسی نہ کھائی جائے۔ بلکہ اول آداب کا ذکر فرمایا کہ کھانا کس طرح کھایا جائے۔

کھانے کے مختلف طریقے ہیں کس طرح کھایا جائے بیٹھ کر کھڑے ہو کر چل پھر کر یا کرسی پر بیٹھ کر۔ تو اولاً کیفیت بیان کی۔

يٰايها الذين امنوا اتقوا الله
حق تقته ولا تموتن
الا وانتم مسلمون واعتصموا
بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

ادبیات

عثمان ذوالنورینؓ

حافظ محمد ابراہیم فانیؔ مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

پیکرِ حلم وحیا عثمان ذوالنورین ہیں
منظہر صبر ورضا عثمان ذوالنورین ہیں

جامعِ قرآن و دامادِ نبیؐ بے گماں
نازشِ اہل تقیٰ عثمان ذوالنورین ہیں

بیعتِ رضوان اُن کے واسطے آقاؐ نے لی
نورِ چشمِ مصطفےٰ عثمان ذوالنورین ہیں

عقد میں جنکے رہیں حضرت کی صاحبزادیاں
وہ عفیفِ خوش لقا عثمان ذوالنورین ہیں

وحیِ قرآنِ مبیں ہے ان کی عظمت کی دلیل
بسملِ شمعِ حرا عثمان ذوالنورین ہیں

جن کی مظلومی پہ شاہد گردشِ چرخِ بریں
وہ امیرِ بے لوا عثمان ذوالنورین ہیں

مال ان کا ملتِ بیضاء کے کام آ ہی گیا
صاحبِ جود وسخا عثمان ذوالنورین ہیں

بیرِ رومہ کے عوض جنت خریدی، ہیں وہ کون
وہ غنی وہ باوفا عثمان ذوالنورین ہیں

دشمنِ عثمان ہے بیزارِ اصحاب رسولؐ
یارِ محبوب خدا عثمان ذوالنورین ہیں

بر سرِ کوہِ اُحد جن کو بشارت مل گئی
وہ شہیدِ باصفا عثمان ذوالنورین ہیں

ان کی حرمت پر ہے فانیؔ دل توسیعِ حرم
کس قدر درد آشنا عثمان ذوالنورین ہیں

مولانا عبدالقیوم حقانی

تعارف و تبصرہ کتب

نعت نمبر ماہنامہ الرشید لاہور مرتب: مولانا عبدالرشید ارشد مدظلہ صفحات ۱۴۸۰ مضبوط اور شاندار جلد بندی۔

ہدیہ: قسم اول ۱۵۰۰ روپے قسم دوم ۱۸۰۰ روپے ناشر: ماہنامہ الرشید ۲۵ لوئر مال لاہور پنجاب۔

ماہنامہ الرشید کا زیر تبصرہ نعت نمبر، الرشید کے خصوصی نمبرات کی اشاعت و انتخاب میں ترقی و کمال کی معراج ہے اور وللآخرۃ خیر لک من الاولی کا عکس جمیل، لاریب اس سے قبل الرشید کے مدیر شہیر مولانا عبدالرشید ارشد کی عظیم تاریخی کاوشیں دارالعلوم دیوبند نمبر، مدنی و اقبال نمبر، بیس بڑے مسلمان اپنی مثال آپ ہیں مگر نعت نمبر تو اپنے منعوت کی طرح ہے ہی بے مثال جو دو جلدوں پر مشتمل ہے آغاز میں مولانا محمد اشرف خان، پروفیسر ریاض مجید، سید شبیر حسین زاہد کے گراں قدر مضامین سے نعت مصطفوی کی اہمیت و دینی حیثیت اور نعتیہ ادب کا تاریخی پس منظر اور تدریجی ارتقاء اور اس کی تاریخ کا مستند مواد یکجا مل جاتا ہے اٹھارہ سو عربی فارسی اردو اور برصغیر کی علاقائی زبانوں پر مشتمل نعتوں کا یہ مجموعہ جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لیکر آج تک تمام قابل ذکر نعت گو شعراء کے نعتیہ کلام کا انتخاب آگیا ہے ایک عظیم تاریخی اور تحقیقی شاہکار ہے جس کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔

آرٹ پیپر پر چار رنگوں کی دیدہ زیب طباعت ہر صفحہ کی پیشانی پر آیت وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین اور ہر صفحہ پہ ۱۳ مرتبہ اسم محمد کے گرد ۱۰۰ مرتبہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تین رنگ میں دلکش حاشیہ متن کے نعتیہ کلام کے حسن میں اضافہ کرتا ہے آج تک نعت کی کوئی کتاب نہ اتنی حسین شائع ہوئی اور نہ کسی کتاب میں صلوٰۃ وسلام کی اس قدر کثرت دیکھی گئی کم و بیش دو لاکھ صلوٰۃ وسلام اس نمبر میں مشک بار ہے۔ علمی اور ادبی دنیا مولانا عبدالرشید ارشد مدظلہ سے اچھی طرح متعارف ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ علمی و مطالعاتی ذوق اور تحقیقی ملکہ کے ساتھ بہترین تصنیفی اور تحریری صلاحیتوں سے بھی نوازا ہے ان کی عظیم تر علمی اور تاریخی کاوشیں یعنی الرشید کے مذکورۃ الصدر خصوصی نمبرات علمی تحقیقی اور تاریخی حلقوں میں ایک مستند مقام رکھتی ہیں۔

کتابوں کا مطالعہ آسان ہے مگر کسی خاص موضوع اور عنوان کے لیے مفید موضوع مواد کا مہیا کرنا ہر

شخص کا کام نہیں اس کے لیے فکرِ سلیم نگاہِ عمیق، ذوقِ کامل اور وجدانِ صحیح درکار ہے رطب و یابس جمع کر دینا بہت سہل ہے یہ کام ہر آدمی کر سکتا ہے لیکن کتابوں سے کارآمد مسالہ اور مواد کا انتخاب اور اقتباس دشوار کام ہے دریا اور تالاب سے پانی ہر کوئی شخص لے سکتا ہے لیکن پانی کی ایک ایک بوند کو مقطر کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں اس کے لیے فنکارانہ مہارت کی ضرورت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان اور ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے نعتیہ کلام میں یہ انتخاب لاجواب ہے جس کے لیے مولف نے لاکھوں صفحات اور ہزاروں تصنیفات پڑھی ہیں تب کہیں جا کر یہ عظیم اور بلند پایہ خصوصی نمبر وجود میں آیا ہے ایک کوزے کے لیے مؤلف نے بلاشبہ بہت سے دریاؤں کی تہوں میں اتر اتر کر بے مثالی علمی اور تاریخی کارنامہ سرانجام دیا ہے اور اس گلدستہ کے لیے نہ جانے کتنے باغوں کے پھول چنے ہیں نعت نمبر مولانا ارشد مدظلہ کے دینی اخلاص تجربہ ومشاہدہ، عشقِ رسول ؐ وسعتِ مطالعہ اور جودتِ فکر و نظر اور اصلاح انقلاب امت کی پرخلوص کوشش کا منہ بولتا ثبوت ہے کتاب کا ایک ایک ورق اور انتخاب کا ایک ایک نعتیہ کلام بول رہا ہے کہ اس موضوع پر بھی فاضل مرتب کا مطالعہ فکر و نظر وسیع ہے اور وہ اپنے دل میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لازوال دولت رکھتے ہیں بلکہ وہ پوری طرح مطمئن بھی ہیں کہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اسلامی انقلاب اور وحدتِ امت کا نقطۂ اشتراک اور آخرت میں نجات کا وسیلہ ہے۔

مہنگائی کے اس دور میں اس قدر شاندار اور عمدہ ترین طباعت اور پھر معقول قیمت یقیناً قابلِ تحسین ہے۔

ذکرِ جلیل

مولف مولانا وکیل احمد شیروانی مدظلہ صفحات ۴۶ قیمت ۱۰ روپے
ناشر مجلس صیانۃ المسلمین، جامعہ اشرفیہ، مسلم ٹاؤن لاہور

مولانا وکیل احمد شیروانی، حضرت مولانا جلیل احمد شیروانی کے لائق فرزند ارجمند ہیں مولانا جلیل احمد رح حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ جید عالم دین اور درد دل رکھنے والے رہنما تھے تحریکِ پاکستان اور تقسیم کے وقت ہجرت کی صعوبتیں برداشت کیں وہ اپنے شیخ و مربی حکیم الامت حضرت تھانوی کی تعلیمات کے مطابق عبادت و اطاعت کے ساتھ جہاد و قتال کے بھی علمبردار تھے وہ مملکتِ عزیز پاکستان کو دین اسلام کا مرکز اور یہاں نفاذِ شریعت کے خواہاں اور دل و جاں سے اس کے لیے کوشاں تھے ان کی ساری زندگی اعلاء کلمۃ الحق اور ترویج شریعت میں صرف ہوئی گو ان کا رشتہ اور مربوط تعلق خانقاہی نظام سے تھا مگر عملی دنیا میں انہوں نے ثابت کر دیا کہ خانقاہی نظام بھی درحقیقت اسلامی سیاست اور اسلامی انقلاب کا ایک لازمی جزء بلکہ بنیاد اور سرچشمہ ہے مرحوم کے لائق فرزند حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی نے اپنے عظیم والد کی

مختصر مگر دلچسپ اور سبق آموز سوانح کو اسی نہج پر قلم بند کیا ہے کہ استفادہ کرنے والے کے سامنے اپنے مستقبل کے نشانِ راہ واضح ہوتے اور علماء حق کے امتیازی کردار کے نقوش ثبت ہوتے ہیں عمدہ طباعت کے باوجود مہنگائی کے اس دوران قیمت معقول ہے۔

مسائل ومعلومات حج وعمرہ

تالیف الحاج محمد معین الدین احمد صاحب
صفحات ۱۶۸، ناشر: المعین ٹرسٹ کراچی

حج اسلام کے بنیادی ارکان سے ہے ہر سال دنیا بھر کے لاکھوں مسلمان حج وعمرہ کی سعادت حاصل کرتے ہیں حج وعمرہ کے مسائل کی تعلیم وتفہیم کے لیے علماء اور مصلحین امت نے ہر دور میں ہر زبان میں چھوٹی بڑی نافع کتابیں لکھی ہیں مگر اس کے باوجود زائرین مسائل واحکام حج میں غلطیاں کرتے اور بعض حالات میں اساءت وگناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں عوام تو عوام خواص تک مسائل واحکام حج میں بعض ایسی کوتاہیوں کا ارتکاب کرتے ہیں جو روحِ مناسک کے خلاف اور خدا کی ناراضی کا سبب بنتی ہیں الحاج محمد معین الدین احمد کو اللہ نے تعلیم وتبلیغ اسلام کے لیے دھڑکتا ہوا دل دیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب ان ہی کی ایک عظیم علمی اور جامع تحقیقی تاریخی کاوش ہے جو گزشتہ آٹھ دس سال سے موصوف ہزاروں کی تعداد میں چھپواتے اور حجاج وزائرین میں مفت تقسیم کرتے ہیں اکابر علماء اور محققین اسلام نے اس کو بے حد نافع قرار دیا ہے خود احقر نے بھی گزشتہ کئی سالوں کے تجربہ اور اسی موضوع پر مختلف کتابوں سے استفادہ کے بعد اسی کتاب کو اپنے سفرِ حج وعمرہ میں ساتھ رکھنے اور لوگوں کو اس سے استفادہ کی ترغیب دینے کا معمول بنالیا ہے جس کے بحمد اللہ بہت ہی زیادہ مفید نتائج سامنے آئے ہیں کتاب کی عمدگی، جامعیت اور نافعیت کے پیش نظر اردو سے دیگر مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہو کر تقسیم ہو رہے ہیں اور اب انگریزی میں بھی یہ کتاب منظرِ عام پر آگئی ہے یہ مؤلف کا خلوص ہے کہ اللہ نے اس کو قبولیت عطا فرمائی ہے اور صدقہ جاریہ کی صورت میں لاکھوں کے لیے نفع رساں ہے۔

یہ کتاب ڈاک ٹکٹ بھیج کر ادارۃ العلم والتحقیق دارالعلوم حقانیہ سے بھی مفت طلب کی جا سکتی ہے۔
اور مولف سے بھی مفت طلب کرنے کا پتہ درج ذیل ہے۔

مسجد نور علامہ اقبال روڈ پی ای سی ایچ سوسائٹی (کراچی)

REGD. NO. P-90

AL-HAQ